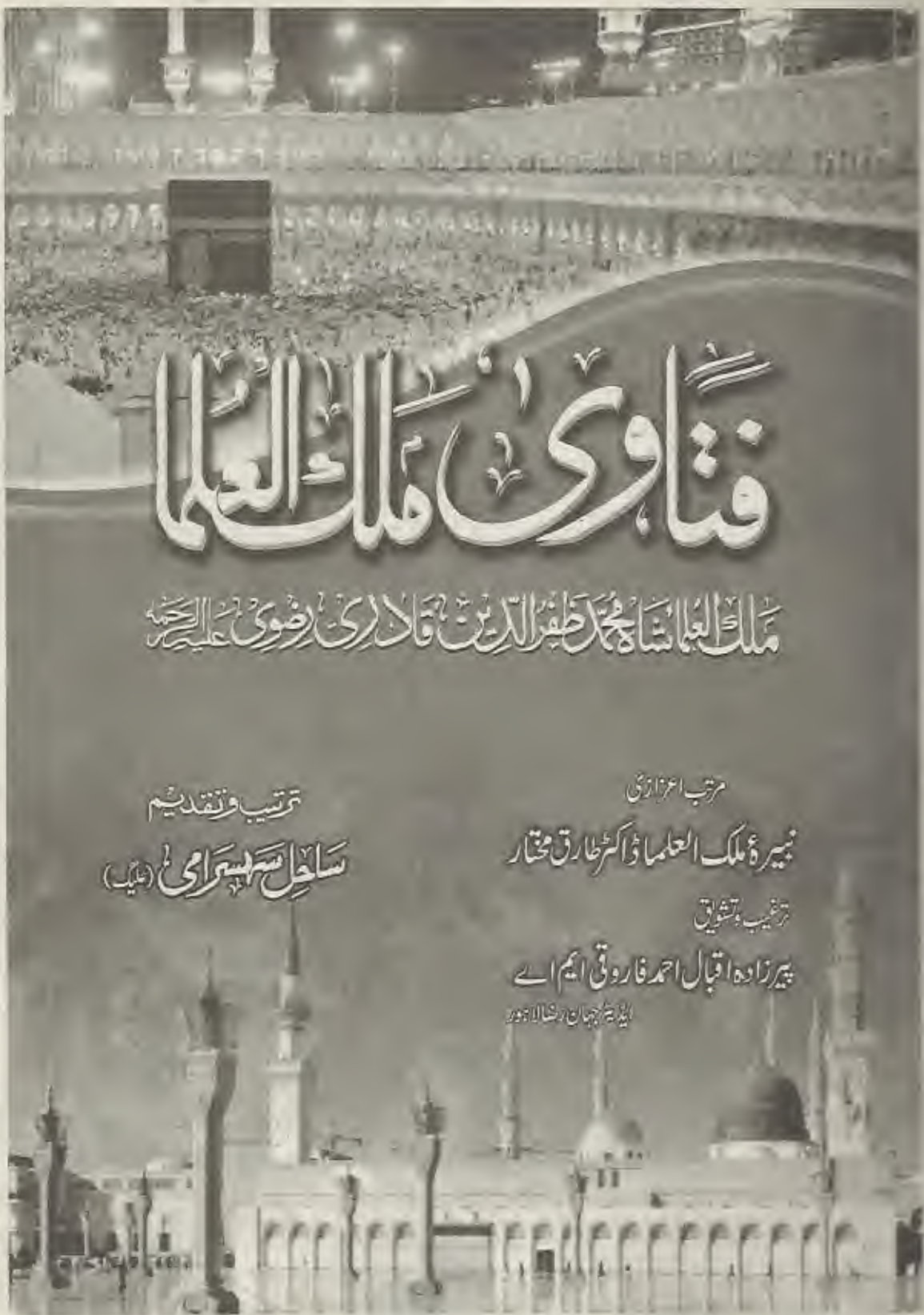


فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعِلْمِ شَاحِدُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ الدِّينِ قَالَ رِئِيسُ رِضْوَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

ترتیب و تقدیم
ساحل سمیرامی (ایب)

مرتب از
نبیره ملک العلماء و الطریق مختار
ترغیب و تشویق
پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ایڈٹوریل ریڈاکشن



فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعِلْمِ شَافِعِي مُحَمَّدٌ طَهْرُ الدِّينِ قَالَا رِيَّانِي رُضْوِي عَلَيْهِ السَّلَامُ

ترتیب و تقدیم
سائل سہیل امی (ملک)

مرتب اعزازی
نہیرہ ملک العلماء ڈاکٹر طارق مختار

ترغیب و تشویق
پیر زادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ایڈیٹر جہان رسالہ ادب

جملہ حقوق بحق ناشر رجسٹری شدہ محفوظ ہیں

نام کتاب:

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)

فتاویٰ ملک العلماء (۲۰۰۵ء)

مصنف:

ملک العلماء الشاہ محمد ظفر الدین رضوی قادری (م ۱۹۶۲ء)

موضوع کتاب:

فتاویٰ بہ فقہ حنفیہ

سال تصنیف:

۱۳۴۹ھ

سال طباعت:

۱۳۴۶ھ - ۲۰۰۵ء

ترتیب و تقدیم:

علامہ ساحل شہرانی (علیگ)

ترغیب و تشویق:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مقدمہ و کلمات تکریم:

ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

ناشر:

ارشاد احمد رضوی ساحل شہرانی - الجمعہ الرضوی بریلی شریف

تعداد:

۱۱۰۰

صفحات:

۵۱۲

قیمت:

۲۰۰ روپے

تقسیم کاران کتاب

الجمعہ الرضوی:

۱۸۲ محلہ سوداگراں بریلی شریف

مکتبہ نعیمیہ:

میائیل جامع مسجد دہلی

کتب خانہ مجددیہ:

۳۲۵ میائیل جامع مسجد دہلی

مکتبہ نبویہ:

گنج بخش روڈ لاہور پاکستان -

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا:

ریگل چوک کراچی پاکستان

پاکستان میں رابطہ آفس

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور

0300-4235658

شرف انتساب

فقہائے احناف خصوصاً

- ☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
- ☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
- ☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہ
- ☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زخم بہر تو دم
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہ من است

گدائے بے نوا

صاحب

تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتی اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلماء حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلماء میرے جدا جدا علی حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق و محبت یعنی سنیت کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلماء کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور قصیدہ ”الاستمداد“ میں فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے

اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلماء کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل و دماغ میں ان کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی علالت کے سبب اس مجموعہ فتاویٰ کو خود تو پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہرامی سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلماء بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلماء کے چھ گراں قدر فقہی رسائل بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعے کی افادیت کو دو چند کرتے ہیں۔

ملک العلماء کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہ نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مبسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلماء کی فتاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کارآمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس فقہی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین و سنیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعہ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید نام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

المفتی محمد اختر رضا خان قادری

الفقیر محمد اختر رضا خان قادری ازہری غفرلہ

کلمات تکوید

پروفیسر مختار الدین احمد

وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ
وسابق صدر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

والد ماجد ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں معاصرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الہی سے عطا ہوا تھا اور اس کے حصول میں ان کے مربی اور مرشد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاص دخل تھا۔ فاضل بریلوی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقاہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی استفادہ کا جواب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقاہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت داں، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دستاویز باضابطہ طور سے آج پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۴۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸/ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مسہر فیات میں گونا گوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی رہی۔ لیکن قیام بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں۔ اس میں ملک العلماء کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمائی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دور رجسٹر نا چیز نے اپنے ذوق و شوق سے نوعمری کے زمانے میں نقل کئے تھے جب میں عربی فارسی کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات میں حضرت ملک العلماء نے جابجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ بعد میں جب شعور بچتے ہو اور ان مقامات کی درستگی کی جانب توجہ کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس سے میں نے یہ رجسٹر تیار کئے تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا جو ان کو درست کر کے

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہرامی، ریسرچ اسکالرمسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کا سعید کا قرعہ فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس 'مہفت خواں' کو طے کر لیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپرد انور بر خوردار ڈاکٹر طارق مختار سلمہ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگار ان لے وصال کے چالیس سال بعد گوشہ گم نامی سے نکل کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں صمیم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید در مزید سعادتوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد

ناظمہ منزل ۳/۲۸۶، سول لائن

امیر نشاں روڈ، علی گڑھ

تقریب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

صدر شعبہ افتاء، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلياً ومسلماً

جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ملک العلماء، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ ملک کے صف اول کے علما میں شمار کئے جاتے ہیں۔

فقہ و فتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت و مہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثل مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچیس سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلق خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ”مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی“۔ (۱/۷)

اسی میں ہے: ”ان کی (حضرت ملک العلماء کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں“۔ (۸/۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ”مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں (۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں“۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام مجد ہم، ص ۲۱)

- ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے
- (۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو
- (۲) عرفِ ناس و حالاتِ زمانہ سے باخبر ہو
- (۳) سوالِ فہم ہو، مسائل کے خلیجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے
- (۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتی بہا سے استناد کرے
- (۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی و محیط ہو
- (۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ مسائل یا کوئی بد مذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے
- ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں۔
- حضرت علیہ الرحمۃ کے مشاغل علیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس و تدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بجائے خود انہم اور معتد و مستند ہے۔ آپ کے انہیں فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام ”فتاویٰ ملک العلماء“ عزیز اسعد جناب مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرا می، علیگ) صاحب دام مجد ہم کی مساعی جیلہ سے نظارہ غلطی ہو رہا ہے۔
- اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:
- (۱) کتاب الطہارۃ - ۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ - ۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ - ۵ (۴) کتاب الصوم - ۶ (۵) کتاب النکاح - ۲۱
- (۶) کتاب الطلاق - ۹ (۷) کتاب السیر - ۵ (۸) کتاب الوقف - ۴ (۹) کتاب القضا - ۱ (۱۰) کتاب الاضحیہ - ۸ (۱۱)
- کتاب الخطر والا باجہ - ۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض - ۶ (۱۳) ضمیرہ - ۳ = ۱۳۰
- اس میں حضرت ملک العلماء کے چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:
- (۱) تنویر المصباح للقیام عند حتی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)
- (۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)
- (۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)
- (۴) اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
- (۵) نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)
- (۶) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)
- کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلماء کے حالات طیبات، فقہ و افتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلمہ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء کے مرتب اور مقدمہ نگار محبت مکرم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید علمہ، ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس و مفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہو گیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے انجام دئے۔ انہیں میں سے ایک فتاویٰ ملک العلماء کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں فتاویٰ کو مرتب کرنے کا بجا طور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، انہیں صحت و عافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبول لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں فتاویٰ ملک العلماء کی ترتیب و اشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد نظام الدین الرضوی

۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ / ۳ اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں مگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلہ برکات سید شاہ برکت اللہ عقیلی مکی مارہروی قدس سرہ کے قدم بیست لزوم کی برکت سے اس خطہ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ڈیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ بیعت ہوئے۔ عصر رواں میں قادری سلسلے کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسین میاں نقوی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری سجادہ نشینان خانقاہ برکات سید محمد اشرف قادری برکاتی و امت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ ناچیز انہیں بزرگوں کے سایہ کرم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ اسما

☆ ۲۰۰۱ء کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں ناچیز کو درج ذیل تصانیف و تراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۶۰۰ صفحات	۱. شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن، ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ
۲۳۸ "	۲. مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری
۱۲۰ "	۳. حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ
۲۰۰ "	۴. حضرت صادق شہسراوی - حیات اور شاعری
۷۰۰ "	۵. کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم)
۸۰ "	۶. النور والہبماء لاسانید الحدیث و سلاسل الاولیاء (ترجمہ)
۳۰۰ "	۷. ایم اے عربی کی نصابی نظمیں کا ترجمہ
۵۱۲ "	۸. فتاویٰ ملک العلماء (ترتیب و تقدیم)

حضرت ملک العنما اور ان کے فتاویٰ

ساحل شہرامی (علیگ)

ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آتشافیقہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آ گئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک و مخاطب بہ ملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابوبکر غزنوی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آ کر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳ رذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، شہرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبہ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱- سید ابوبکر غزنوی بن ۲- سید ابوالقاسم عبداللہ بن ۳- سید محمد فاروق بن ۴- ابوالمنصور عبدالسلام بن ۵- سید عبدالوہاب بن ۶- غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی قدس سرہ امراہم۔

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/و)

حضرت ملک العلماء کی ولادت مبارکہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجر ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند پتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداء والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میرزا عبدالحکیم کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱- مولانا شیخ محی الدین اشرف ۲- مولانا شیخ بدر الدین اشرف ۳- مولانا مہدی حسن میجر وی ۴- مولانا فخر الدین حیدر ۵- مولانا محمد منعم ۶- مولانا معین اظہر رئیس موضع بین ۷- مولوی محمد ابراہیم ۸- حافظ محمد

اسماعیل بہاری۔ ۹۔ فتنی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والد ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودھی کثرہ و خلیفہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پیشہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پختہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ”تحفۃ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق“ جاری کیا جو عرصہ دراز تک علم و فن اور دین و سنت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلماء نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ کو پیشہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال جہاگی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہو کر اپنے وطن پیلی بحیث تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلماء بھی وہاں سے رخصت ہو کر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱۔ مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی۔ ۲۔ مدرسہ احسن المدارس۔ ۳۔ دارالعلوم۔ یہاں کے اساتذہ میں شہرہ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلماء کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بحیث حاضر ہو گئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنت نیز ارفقا سے جلد ہی اوب کر سرچشمہ علم و ادب اور مصدر عشق و محبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲۔ مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تفسیر، شرح چغینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، نمکیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف

کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلماء نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتاء نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ) - ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۲ھ) - ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہرام (۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۸ھ) - ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ”ظفر منزل“ شاہ گنج پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گونا گوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاص داخل تھا۔

حضرت ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہو گئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب و روز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گزار کر دو شنبہ کی شب میں ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شاد کام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ علم و فن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید و قرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد و تصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو و صرف، معانی و بیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیئت، توحید، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ بھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ ربیع الثانی المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بھانجے عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارافتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

”سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توحید سے تنہا آگاہ ہیں۔“

آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔“

(حیات ملک العلماء ص ۷-۸ مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔ ۱- علوم حدیث۔ ۲- فقہ و تصوف۔ ۳- عقائد و منظرہ۔ ۴- ہیئت و توحید۔ ۵- اور سوانحی ادب۔

فقہ و تصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جا رہا ہے۔ باقی گوتوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث:

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی شانیں آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گراں قدر سعادت حاصل کی۔ وعظ و تذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں

آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ”جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری“۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب نئی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتمم بالشان علمی کا نامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وحسی احمد پٹیلی بھی ہیں، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث و صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب و یورکر نائک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلماء کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلماء نے ان کلمات سے کیا ہے:

”هَذَا نَهْرٌ اصْغَرَ مِنَ الْبَحْرِ الْاَكْبَرِ مِنْ بَحَارِ عِلْمِ سَيِّدِي وَ شَيْخِي نَفَعْنَا بِسِرِّ كَاتِبِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (صحیح البہاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)

عقائد و مناظرہ:

حضرت ملک العلماء کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ بت نئے خیموں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندوپاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاس بان بھی شیرازہ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسماعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیر آبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلماء بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوبالیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلماء نے بھی اس محاذ پر اسلام کی عسائی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خدا داد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلماء کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

”مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلماء) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے جمع کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھڑکا میں دیابند سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہو کر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ”اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اہنی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ”شکست سفاہت“ (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

- ۱۔ الحسام المسلمون علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲۔ نجم الکثرۃ علی الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ)۔ ۳۔
- الحر اس لدفع غلام المنہاس (۱۳۲۹ھ)۔ ۴۔ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۵۔ کشف الستور عن من ظہر راہپور (۱۳۳۳ھ)۔ ۶۔ ظفر الدین الجید (۱۳۳۳ھ)۔ ۷۔ گنجینہ مناظرہ (۱۳۳۳ھ)۔ ۸۔ ظفر الدین
- حسب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو ابھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلماء کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابلی ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت و توقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلماء کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز

کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

” (مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدس اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۳۴)

حضرت ملک العلماء نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندوپاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے۔ ۱۔ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲۔ بدرالاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳۔ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۳۰ھ)۔ ۴۔ مشرقی اور سمت قبلہ/مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسے حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلماء اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔“ (حیات ملک العلماء ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عظیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندوپاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم و صلوٰۃ ”ظہور الاوقات“ کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ

حیدرآباد پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلماء بہت شستہ اور نکھر ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شاننگی اور لہجہ کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سو قیامت لب و لہجہ کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت و سوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

۱۔ شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل)۔ ۲۔ مولود رضوی (۱۳۶۰ھ)۔ ۳۔ مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۳ھ)۔ ۴۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ)۔ ۵۔ اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ)۔ ۶۔ خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ)۔ ۷۔ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحصان (۱۳۳۳ھ)۔ ۸۔ حیات اعلیٰ حضرت / مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ)۔ ۹۔ چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)۔ ۱۰۔ الجمل المعتمد و التالیف المجدد (۱۳۲۷ھ)۔ یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۳۲۳ھ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

انی نذرت للرحمن انہ لما تمت هذه الحاشية اصلى مائة ركعة ان شاء الله

”میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ عرض کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ اساطیل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتنا کی خوشبوؤں میں بے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ”من احب شیئا اکثر ذکرہ“۔ محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملتا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلماء کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت و خلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جان رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفہ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہرانی جب کبھی ”ظفر منزل“ پٹہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گزر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

”رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

و مناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے۔ (ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلما نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کارافتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہ کی خواہش پر ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ڈھیروں تصانیف کے میضے تیار کئے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچا لیا، لیکن ایک شیفۃ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلما بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

”میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچا لیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔“

(حیات ملک العلما ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تفسیر، جعفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔“ (حیات ملک العلما ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبول سے لبریز حضرت ملک العلما کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرہ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ”ظفری“ کے بجائے ”رضوی“ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ

حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ”المحمل المعدد لتالیف المجدد“ میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ”حیات اعلیٰ حضرت“ کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت مودمنٹ اور نان کو اپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ ساج کا شدھی سنگٹھن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دوقومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جمادھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلما کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس ”ہفت خواں“ کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضائیں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلما کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہو سکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جارہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ و تصوف:

”مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَلَدَقَ“ (امام مالک)

”جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں“۔ ۱۲ ساحل

اس ارشاد ماکہ کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے۔

علامہ محبت اللہ بہاری ”مسلم الثبوت“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان الفقہ فی الزمان القدیم کان متناولا لعلم الحقیقۃ وہی الالہیات من مباحث الذات

والصفات و علم الطريقة وحی مباحث المنجیات والمملکات و علم الشریعة الظاہرة “
 ’زمانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے
 تعالیٰ کی ذات و صفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت
 مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے“ ۱۲۔ ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی
 الگ الگ ممتاز شاخیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک
 فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

”فقہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا
 ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی
 مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی
 چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت
 بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الہی کا غلبہ ہو۔“ (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلماء قدس سرہ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز
 صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں
 حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب و روز معمولات
 صوفیہ اور اذکار و اشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت
 باطن کا نگار خانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سو قیامت کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور
 جذبول کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے کتاب الخطر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ
 فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک
 العلماء کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خدا ترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و افتا کے تعلق سے بھی کچھ
 بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود
 صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کر سکیں۔



انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی
 اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی
 سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) و افتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

چیزیں ابتداءً تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (النحل: ۶۳) (تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین، دُعاة و مبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں کبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عربی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ و افتاء مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتاء فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زنجیزی فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

”الفقیہ: العالم الذی یشتق الاحکام ویفتش عن حقائقها“

”فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تمہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔“

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور رائج اور مرجوح، مفتی بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہ ”رد المحتار علی الدر المختار“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفتی والواجب علیہ

إذا سئل ان ینذکر قول المجتہد کالامام علی وجه الحکایة فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین لیس بفتویٰ بل هو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی۔ (رد المحتار ۱/۴۷)

”مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حجت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔“

اسی لئے لوہیں معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

”المفتی: الفقیہ الذی یعطى الفتویٰ ویجیب عما ألقى علیہ من مسائل المتعلقة بالشریعة“

”مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا

ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔“ (المنجد ص ۹۸)

عقبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ رسالہ مبارکہ ”اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام“ (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”الرابعة: الفتوى حقيقية وعرفية۔ فالحقیقیة هو الإفتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی وأولئك الذين یقال لهم أصحاب الفتوى ویقال ”بهذا افتى الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو الیث واضرا بهما رحمهم الله تعالى۔ والعرفية: اخبار العالم بأقوال الامام جاهلا عنها تقلیداً له من دون تلك المعرفة كما یقال فتاوى ابن نجیم والغزى والطورى والفتاوى الخيرية وحلم تنزلاً زماناً ورتبة الى الفتاوى الرضویة جعلها الله تعالى مرضیة مرضیة۔ آمین۔“

”چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو الیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزى، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!“ (الفتاویٰ الرضویہ۔ مترجم۔ ۱۰۹/۱)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ و صحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفعا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمہ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ و افتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ و افتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ و بو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیانِ تفقہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنہم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور: (۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق و غرب اور جنوب و شمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب و عجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبیوں میں بڑی تیزگامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس و افادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

- ۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ)۔ ۳۔ حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔ ۴۔ حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۲ھ)۔ ۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۲ھ)۔ ۶۔ حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن (م ۹۲ھ)۔ ۷۔ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۲ھ)۔ ۸۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۶)۔ ۹۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶)۔ ۱۰۔ حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷)۔ ۱۱۔ حضرت نافع (م ۱۱۷)۔ ۱۲۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴)۔ ۱۳۔ حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۲)۔ ۱۴۔ حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۲۸)۔ ۱۵۔ حضرت ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

- ۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔ ۱۷۔ حضرت مجاہد بن جبر (م ۱۰۳ھ)۔ ۱۸۔ حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

- ۱۹۔ حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔ ۲۰۔ حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ)۔ ۲۲۔ حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔ ۲۳۔ حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔ ۲۴۔ حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔ ۲۵۔ حضرت عمرو بن شریح (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔ ۲۶۔ حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔ ۲۷۔ حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔ ۲۸۔ حضرت ابوالشعاع جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔ ۲۹۔ امام التعمیر والروایہ حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ)۔ ۳۰۔ حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگاتی تھی۔

- ۳۱۔ حضرت عبدالرحمن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔ ۳۲۔ حضرت ابوالدریس خولانی (م ۸۰ھ)۔ ۳۳۔ حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔ ۳۴۔ حضرت رجاہ بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ)۔ ۳۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

- ۳۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔ ۳۷۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ (م ۹۰ھ)۔ ۳۸۔ حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی انوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

۳۹۔ حضرت طاؤس بن کيسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔ ۴۰۔ حضرت وہب بن منہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔ ۴۱۔ حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔
اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزہ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا: ”فقہ کی کاشت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمادہ، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم حنفی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکا میں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔“

اس دور میں امام الائمہ، سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبد الرحمن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الہی، امام الائمہ، سراج الائمہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ: لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۱۸۶۷ھ) صاحب ”مجمع البحار“ ”المعنی“ میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن للہ سرخفی فیہ لما جمیع لہ شطر الاسلام او ما یقاربہ علی تقلیدہ حتی عبد اللہ بفقیہہ وعمل برائہ الی یومنا ما یقارب اربع مائۃ وخمسمین سنۃ وفیہ دل دلیل علی صحتہ“۔ (المعنی ص ۸۰)

”اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔“ (تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عظیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہاء اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام، جزو بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یا رہا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہاء کو سات طبقتوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تائیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج اللامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲۔ مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذہ امام اعظم قدس سرہم۔

۳۔ مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

کردہ اصول و فروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خفاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)۔

۴۔ اصحاب ترجیح :

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول و فروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، مجمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحاب ترجیح :

یہ حضرات اصحاب ترجیح سے کمتر فقہات کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔
”ہذا اولیٰ، هذا اصح، هذا اوضح، هذا اوفق للقياس“ جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶۔ اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔ مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔
حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱۔ کتب اصول۔ ۲۔ کتب نوادر۔ ۳۔ کتب واقعات۔

۱۔ کتب اصول :

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمہ شیعہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذہ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱۔ مبسوط۔ ۲۔ جامع صغیر۔ ۳۔ جامع کبیر۔ ۴۔ سیر صغیر۔ ۵۔ سیر کبیر۔ ۶۔ زیادات۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتد ہیں۔

۲۔ کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادة الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہ۔

۳۔ کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلاثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطی، واقعات صدر الشہید۔ واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔ موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ اصول بزدوی۔ امام علی بن محمد بزدوی (م ۲۸۲ھ)۔ ۲۔ المبسوط۔ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)۔ ۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہاء۔ ملک العلماء امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ)۔ ۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ امام فخر الدین حسن بن منصور اور جندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔ ۵۔ الہدایۃ۔ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ)۔ ۶۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشاہ والنظار (م ۹۷۰ھ)۔ ۷۔ در مختار شرح تنویر الابصار۔ علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)۔ ۸۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)۔ ۹۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔ علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔ ۱۰۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ علامہ سید احمد طحطاوی۔ ۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی نظام الدین و علما کا بورڈ۔ ۱۲۔ العطایا البدویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م ۱۳۳۰ھ) قدس سرہم۔

متوسطین فقہانے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی ۱۔ متون۔ ۲۔ شروح۔ اور ۳۔ فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں۔

مستند متون :

- ۱- مختصر امام طحاوی - ۲- مختصر امام کرخی - ۳- مختصر امام قدوری - ۴- کنز الدقائق - ۵- وانی - ۶- وقایہ - ۷- نقایہ - ۸- اصلاح - ۹- مختار - ۱۰- مجمع البحرین - ۱۱- مواہب الرحمن - ۱۲- ملتقى -

مستند شروح :

- ۱- مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں - ۲- کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، یربیر، یر صغیر) کی شرحیں - ۳- مبسوط امام سرخسی - ۴- بدائع الصنائع - ۵- تبیین الحقائق - ۶- فتح القدر - ۷- عنایہ - ۸- بنایہ - ۹- غایۃ البیان - ۱۰- درایہ - ۱۱- کفایہ - ۱۲- نہایہ - ۱۳- حلیہ - ۱۴- غنیۃ - ۱۵- البحر الرائق - ۱۶- المنہر الفائق - ۱۷- درر احکام - ۱۸- در مختار - ۱۹- جامع المصنوعات - ۲۰- جوہرہ نیرہ - ۲۱- ایضاح، وغیرہ -
امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شربلالی، حواشی خیر الدین ربلی، رد المحتار، منہج الخلق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریۃ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المحتبى، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج و ہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاویٰ :

- ۱- خانہ - ۲- خلاصہ - ۳- بزازیہ - ۴- خزائنہ المفتیین - ۵- جواہر الفتاویٰ - ۶- محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) - ۷- ذخیرہ - ۸- واقعات ناطقی - ۹- واقعات صدر الشہید - ۱۰- نوازل فقیہ - ۱۱- مجموع النوازل - ۱۲- ولوالجیہ - ۱۳- ظہیریہ - ۱۴- عمدۃ - ۱۵- کبریٰ - ۱۶- صغریٰ - ۱۷- تحفۃ الفتاویٰ - ۱۸- صیرفیہ - ۱۹- فصول عمادی - ۲۰- فصول استروشنی - ۲۱- جامع صغار - ۲۲- تاتار خانہ - ۲۳- ہندیہ / فتاویٰ عالمگیری - ۲۴- الاشباہ والنظائر - ۲۵- منیہ، وغیرہ -
فقہ، رحمانیہ، خزائنہ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔ فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم ناقابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً - متفرق جلدیں)



اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمہ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲)۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے

تو پھر فتاویٰ اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس سے متاثر یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب و اشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ہے ”کتاب النوازل“۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ فتاویٰ ابی بکر۔ ۲۔ فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳۔ فتاویٰ ابن قطان۔ ۴۔ فتاویٰ ابی الیث۔ ۵۔ فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶۔ فتاویٰ ابن الصباغ۔ ۷۔ فتاویٰ اسبیجانی۔ ۸۔ فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹۔ فتاویٰ جندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰۔ فتاویٰ تمر تاشی۔ ۱۱۔ فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲۔ فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳۔ فتاویٰ ظہیریہ۔ ۱۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵۔ فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶۔ فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔ ۱۷۔ فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸۔ فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹۔ فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰۔ فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱۔ فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲۔ فتاویٰ بسکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳۔ فتاویٰ قاری الہدایہ۔ ۲۴۔ فتاویٰ حمادیہ۔ ۲۵۔ فتاویٰ ابن شلمی۔ ۲۶۔ فتاویٰ ابی السعود۔ ۲۷۔ فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸۔ الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریہ۔ ۲۹۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰۔ فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ محدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلمان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ”التقرید فی الفروع“۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۲۔ فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴۔ فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵۔ فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶۔ فتاویٰ تاجار خانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور دو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعے ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

- ۱۔ العطا یا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (م ۱۳۳۰ھ)۔ ۲۔ فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین راپوری۔ ۳۔ فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴۔ فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵۔ فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ ۶۔ فتاویٰ قیام الملئۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ ۷۔ فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸۔ فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ ۹۔ فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰۔ فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۳۶ھ)۔ ۱۱۔ فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲۔ مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) ۱۳۔ فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

فقہ و افتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آئیے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔ فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست و امارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات و معاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھتے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید و فروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وقائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطہ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، درد مند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصیت سے بالاتر، خلیفہ اور برادر، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی

تصلب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا بیکر اور شانستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مضامین سے واقف ہو خصوصاً کتاب و سنت، تفسیر و حدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نئے مسائل کے جوابات کتاب و سنت کی جاں بخش ضیاءوں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل و روایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو رائج اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱۔ متون۔ ۲۔ شروح۔ ۳۔ فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟۔

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمہ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ ”من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل“ (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقہیانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن حلی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح رائج کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔“

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱۔ قول صوری۔ ۲۔ قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ ”اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قوم الامام“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”الخامسة“ اقول وبالله التوفيق: ”القول قولان۔ صوری و ضروری۔ فالصوری هو المقول المنقول والضروری مالم يقله القائل نصاً بالخصوص لكنه قائل به فی ضمن العموم الحاکم ضرورة بان لو تكلم فی هذا الخصوص لتكلم كذا وربما يخالف الحكم الضروری الحكم الصوری وحی قضی علیه الضروری حتی ان الاخذ بالصوری يعد مخالفة للقائل والعدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعاً له كأن كان زید صالحاً فامر عمرو بخدامة باكرامه نصاً جهاراً وكرر ذلك عليهم مراراً وقد كان قال لهم ”اياكم ان تتركوا فاسقاً ابداً“ فبعد زمان فسق زید علانية فان اكرمه بعده خدامة عملاً بنصه المكروه المقرر لكنوا عاصين وان تركوا اكرامه كانوا مطيعين ومثل ذلك يقع فی اقوال الائمة۔ (الفتاویٰ الرضویة ۱/۱۰۹ لاہور)

”پانچواں مقدمہ“ میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱۔ قول صوری اور ۲۔ قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری رائج اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحۃً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے۔
اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ائمہ احناف بعض اوقات حضرت امام غنیم ابوحنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱- ضرورت۔ ۲- حرج۔ ۳- عرف۔ ۴- تعامل۔ ۵- کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔ ۶- کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسا دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ قساد سے خالی ہوں، مفسدہ کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی۔“ (فتاویٰ رضویہ ۱۰/۱)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی دے دی۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

”لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای من النساء ما یأینا لمتنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نہ“

”اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا۔“

(۸) اصحاب ترجیح فقہانے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور رائج ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔ اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عمیقی فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں۔

میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروح میں اور

دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ ۴- فقہانے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح

کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے

لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل

العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصاً جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور و خوض، تلاش و جستجو

سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات

کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ

کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف سحرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق و درشق کی تیج

دار یوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے

سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لغالغی اور ضاعی سے بالکل احتراز

کرے، دو ٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فقہ و افتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلماء کی فقہی

نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، قیصر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے پچھن سال تک

افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الضحیٰ فی المساجد

۳- (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- تعلیق علی القدری (۱۳۲۵ھ)۔ ۵- بطل المراتۃ فی الجطر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- الفیض الرضوی

فی تکمیل الجوی (۱۳۲۶ھ)۔ ۷- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۲۶ھ)۔ ۸- القول الاظہر فی الاذان بین یدی

المنبر (۱۳۲۳ھ)۔ ۹- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۲۶ھ)۔ ۱۰- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ البتدی

بند (۱۳۲۳ھ)۔ ۱۱- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۲۸ھ)۔ ۱۲- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۲۹ھ)۔ ۱۳- نصرۃ

الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۴- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۵- عید کا چاند

۱۶- (۱۳۷۰ھ)۔ ۱۷- تنویر المصباح للقیام عند جی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ و افتا کے موضوع

سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتاء کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلماء کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یا دواشتیں، قلمی سرمایے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرائفڈ اور اوراق کی تریات کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندۂ طاعت شعار، درد مند طبیعت اور سوز دروں سے ہمراز ایک ایسے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گزر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خاتقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اسی مجموعہ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ”تحتہ الاحباب فی فتح الکلیۃ والباب“ کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ”ہادی الھدایۃ لترك الموالاة (۱۳۳۹ھ) اور ”سد الفرار لمہاجری بہار“ (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز و دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”لَا يَأْتُو نَكْمُ حَبَالًا“ کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مسابلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا آلہ سیدھا کرنے، گاؤں کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ”انسدادِ گاوکشی پر مسلمانوں کا شکوہ“ ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسدادِ گاوکشی میں مسرگاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحادِ عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کنٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔“

علمی سطح پر حضرت ملک العلماء کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعتِ نگاہ:

حضرت ملک العلماء جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر مختصر مجموعہ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فنِ تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ“ کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان، فتاویٰ، میں ہے: واللفظ للاول ”فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافراً فلیصمه“ یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی ”فمن شهد منکم ہلال شهر فلیصمه“ یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا ”و یقن بہ“ یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تین ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہادت اللہ لال نہیں کہتے بلکہ شہادت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف روایات کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نوصحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”دوسری حدیث میں ہے: من یسئى لله مسجداً جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وہی روایۃ ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطا کے گھونسلے جیسی وہی روایۃ او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وہی روایۃ یدکر اللہ عز وجل فیہ تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) سئى الله له بیتا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا وہی روایۃ من درو و یاقوت موتی اور یاقوت کے رواۃ ابن ماجہ وابن حبان وسیدنا ابو حنیفہ وابن خزیمہ والبخاری مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر والاوزی و ابن عدی والتسائی عن سیدنا عثمان وعمر و جابر بن عبد اللہ وابی ذر و انس بن مالک وابی امامہ وابی ہریرۃ واسماء بنت الصدیق وعمر بن عبسۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین“۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے ”تسویر المصباح“ ”نصرۃ الاصحاح“ ”اعلام الساجد“ میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جاسکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہ اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلماء آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

دلاتے۔ اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟ امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ”یہ صورت مکروہ ہے“ حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ”پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں“ انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلماء کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلماء نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاویٰ عالمگیریہ سے مقدار ارتقاع قائمہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل واقفا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل و خرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت نبیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔۔۔“

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح و شیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھتے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پرافتاء جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث الہیہ و حاکم و ابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقہانیت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکسرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف دیانت و عقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارضوا امامان الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے

آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:۔۔۔۔۔

”یعنی علامہ خیر الدین ربلی نے اپنے فتاویٰ خیر فیہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے

اتویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اتویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔“

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجہ فرمایا، فافہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایہ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جبل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جب آپ اعتقادات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گھٹے میں علماء عرب و عجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، نقل و قال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مارو شن دل ماشاء۔ کلمہ پڑھو، علماء حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جسے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احق نمبر ۲ بنتا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالانفواء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے اوسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس و اعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواریوں میں بتلائیں؟۔ رع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیر یہ، اذا تعارضت امامان، در المختار، حررہ العبد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو لمیز حی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملة جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ روی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلماء نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقہات ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت و توقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقہات کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلماء کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات

تھیں۔ جواب میں حضرت ملک العلماء نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی فقہیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں یہاں انکیس نکات پر پہلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب ہیں اور بد مذہب کی تو قیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جاسکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

”غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔“

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کر دی:

”غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و روافض و غیر ہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، جلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟“

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔ ”ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی۔“ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

”غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱۔ یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲۔ یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔“

ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحت نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادات میں حق پر جانے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی بڑائی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ تجھے اویسزدیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص..... پر موجود ہے) یونہی ”کھڑکی کا فیصلہ“ میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبیر آتش فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ”اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیہ فی المساجد“ میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ و مکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر توالیات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص..... پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، محقق، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنی تا مل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعین نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصہم اللہ العلام باللطف العام سے فائز ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وهو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الہندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہو گا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراہم لیتصدق بها جاز

لانہ قربہ کا تصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لہذا فی عہد الاحکام ”او یجعلہ آلۃ کجرب و خف و فرو“ اہ وفی الخانیۃ: ”ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیۃ فروا او یساطا او متکنا یجلس علیہ“ اہ وفی الکافی والہدایۃ: ”او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالمنطع والحراب والغربال ونحوھا“ اہ کالدلو والسفرۃ والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل شمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکرار الرائق و تمین و خلاصہ میں ہے: ولا بیعہ بالدراہم لیتفق الدراہم علی نفسہ و عیالہ“

ثانی یعنی بدل شمن نہ ہو بلکہ شمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔ لہذا فی الہدایۃ والتبین والکافی والطحاولی و خزائنہ المفتیین: ”ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استہلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول۔“

ثانی جائز ہے۔ لہذا فی الہدایۃ و شرح الكنز لملا مسکین والکافی والتبین والطحاولی و خزائنہ المفتیین: ”ولا باس بان یشتری بہ ما ینتفع بعینہ فی البیت مع بقائہ استحساناً۔“

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحی کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز و ممنوع۔ و قد مضت الادلۃ آنفاً۔“

تصوف:

حضرت ملک العلماء خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملانہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، صوفیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، نمکسارانہ لہجے کیا ہیں؟ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب المحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص..... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

”پس صورت مستقرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔
(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی..... تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کرا اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکے سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔
توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”توجہ لینا اپنے پیرومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۳۰ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاصر بصدقه قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقلوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انک بعثتني بهذه الکلمة ووعدتني علیها الجنة وانت لا تحلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادة بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عز و جل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہ

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله

الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔“

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب و سنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب پر قلم کرتے ہیں:

”پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔“

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا علیٰ ہذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر و متہادان نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت والجماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا۔

اوپر تین گم ست کرار بہری کند۔ مشہور مقولہ ہے ”جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے“

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب بہ ل حجج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ و قلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسب بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبد العزیز میں ہے:

لا تقدم من قبل اعتقادك انه مربوب ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدم من علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتی تعتقد انه من اهل التریبۃ وانه لا احق منه بها فی زمنہ۔

”یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کر لو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں۔“

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر زخواباں، منہم و خیال ماہ ہے چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند کس نگاہ ہے

تفقید :

حضرت ملک العلماء کو نقد و نظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تکنیکی تنقید اور دلچسپ جھوٹیلج کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلماء کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

”علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا اندر سے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعت علم و فہم ذکا و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چوتھیں سو سوال ”رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہہ باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟“ کے جواب میں ہے ”ان بیانات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط“۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھتے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ”فقہ کی کتاب میں ان بیانات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے۔“ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز اولیٰ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا۔“ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء با نفرا دیا جائز ہیں تو جو امور با نفرا دیا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا، دھوکے کی ٹٹی ہے۔“ نہ نکلے کی پانچ والی دورتی کے مشہور کی طرح یہ لکھا کہ ”یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جائیں۔ (ص ۱۱) نہ یہ کہا کہ ”یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان بیانات کا منقول ہو نایا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ بیانات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے فضل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی“ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔“

ربا بخشی روداد اور ”صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ“ کا عبارت در مختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقرر بنانا، محض ”پادر ہوا“ اور ”رودرقنا“ اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعون عز وجل فقیر نے اپنے رسالہ ”مواہب ارواح القدس“ میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلسطالع۔ صاحب ”دفع التلبیسات“ نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم و سوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم کو لکھا: ”ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیرہ ذلک۔“

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یفیس علی نفسه کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ”المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ“ اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ رع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ”معاقلہ غیر قدوم سفر کا یا جماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے۔“ حالانکہ ان کے اقرار ہی امام، محقق و فقیہ و محدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعاده میں فرماتے ہیں: ”فقہاء رادر جواز معاقلہ و کراہت آن اختلاف فی تفصیلے ست و صحیح جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد۔“ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چیز یا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ”تنبیہ المسائل“ ص ۲ پر انکار استدلال کے لئے ”مطالب المؤمنین“ سے نقل کیا ”یکرہ الانتفاع بالقبور“ اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ”قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں۔“ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ”یکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آت ارہ“ قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ”اگرچہ“ کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گواثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور

برادر اشنمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟ کہتے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کوہ ہوئی؟

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلماء علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ سے ان کی سادگی، رواداری، علم و فضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن چند مضامین کے سوانہ حضرت پر کوئی کام ہو سکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہو سکی۔ تنویر المصباح، نصرة الاصحاب، مبارک پور، گھوسی، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں۔ ”تنویر السراج فی ذکر المعراج“ اور صحیح البہاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود فاضل مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت کا مضمون ”ملک العلماء اور علم حدیث“ قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا۔ لیکن

بے نشانوں کا نشان مٹا نہیں مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب جمود ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہو چکی ہے۔ برادر محترم مولانا ملک الظفر تبسمرانی ایڈیٹر الکواثر (سہ ماہی) سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرف قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ الکواثر تبسمرام کا ”ملک العلماء نمبر“ نکالنے کا پختہ عزم کر لیا اور ان کی دو سالہ جانفشانی کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل گرانقدر نمبر مرحلہ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے۔ حضرت کی گرانقدر تصنیف ”جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری“ کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کر رہی ہے۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلماء کے حضور قلمی نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱۔ ”ملک العلماء اور علمائے تبسمرام“ (مطبوعہ ماہنامہ جہان رضا جون ۱۹۹۹ء) ۲۔ علم توقیت میں ملک العلماء کے ایک ممتاز شاگرد علامہ عبدالرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء) ۳۔ ”تاج العلماء اور سید العلماء کے گرامی مکتب بنام ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدس سرہ اہم (مطبوعہ جہان رضا، لاہور۔ فروری ۲۰۰۳ء)۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ ”سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون“ کو جدید انداز میں ”اسلامی نظریہ موت“ کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر تقدیم لکھی، کتابت کے مراحل سے گزارا۔ یہ کتاب مجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نمبرہ ملک العلماء محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف مرحلوں

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر ناچیز نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کر دیا۔ بیشتر مسودات بہت ڈولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیر اس کا پیاں پڑھنا بھی کارے وارد۔ بہر حال! احقر نے اپنے مولیٰ کے بھروسے پر حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس ناصاف مسودے کی زیر اس کا پیاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقل نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی ہفتے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطریں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملانے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی، اس کا کیا ذکر کروں۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے مجاہد مرتبین کی جانکا ہیوں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور ان کی ترتیبیں شاداب رکھے۔ آمین!۔ بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستگی میں کئی کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیازی صاحب جو حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملتے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرحلہ تھا۔ بہر کیف! ان مسلسل جانکا ہیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ کے اس قلمی سرمائے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جاسکا۔

اس مجموعہ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ چھ رسائل بھی ہیں:

- ۱- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔
 - ۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔
 - ۳- تحفۃ الاحباب فی فتح النکوة والباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیصلہ۔
 - ۴- اعلام المساجد بصرف جلود الاضحية فی المساجد (۱۳۲۵ھ) قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔
 - ۵- نصرة الاصحاح بقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔
 - ۶- مواہب ارواح القلوس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔
- یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استفتاء کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گواہ اپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: السؤل الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر تھا۔

یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

- (۱) کتاب الصلوٰۃ - ۳۲ - (۲) کتاب الزکوٰۃ - ۵ - (۳) کتاب الصوم - ۶ - (۴) کتاب النکاح - ۲۱ -
 (۵) کتاب الطلاق - ۹ - (۶) کتاب السیر - ۵ - (۷) کتاب الوقف - ۴ - (۸) کتاب القضاء - ۱ - (۹) کتاب الاضحیہ
 - ۸ - (۱۰) کتاب الخطر والاباحۃ - ۲۶ - (۱۱) کتاب الفرائض - ۶ - ۱۲۳ -

یہ سارا سرمایہ دور جہڑوں میں محفوظ تھا۔ ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا خستہ۔ ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ
 اوراق پریشان بھی تھے۔ اس مجموعے کے بیشتر فتاویٰ ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک العلماء
 بریلی شریف میں قیام فرماتے تھے۔ مسودات کے آغاز میں حضرت علام رقم طراز ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

”الحمد لله وبه نستعين وبحمده ورضاه ظفر الدين والصلاة والسلام على سيد المرسلين عالم
 علوم الاولين والآخرين وعلى اله وصحبه وعلماؤه وحزبه لاسيما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر
 الاولياء والعلماء۔ صلى الله تعالى على سيدهم ومولاهم وعليهم وبارك وسلم۔ امين!

اما بعد! فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری میجر وی قادری برکاتی غفر لہ ما مضی وما سیاتی، ملتئم کہ یہ
 چند استخفاف جوابات ہیں جو بزمانہ قیام بریلی شریف میں سالوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے
 لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو
 فائدہ پہنچائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وهو حسبی ونعم الوکیل۔“

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز الما آج سے بہت مختلف تھا۔ احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا
 کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیرا گرافنگ بھی میری ہے۔ آیات قرآنی کی تخریج کر دی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا،
 وہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمہ قرآن کنز الایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ فقہی عبارات
 میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گزار ثابت ہوا۔ بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے
 لئے۔ اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کر دیا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں، عوام کو اس سے
 کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جو حضرات فتنہ وافتا سے شغف رکھتے ہیں، ان کی نگاہ خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔ دوسری
 وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں، اس لئے یہ حوالے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔
 تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر در کثیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے، وہ ساری کتابیں تو کیا ان
 کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے مہتمم بالشان ادارے میں موجود نہیں۔ دراصل یہ دارالافتا کی چیزیں ہیں، شاید اسی
 لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔ مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب تشنہ کامی تو بہر صورت رہتی، اس
 لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔ البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے مل سکے، انہیں شامل کر لیا گیا
 ہے، اس لئے معاملہ بالکل سوکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم، فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ تقدیم خاصی طویل ہو گئی اور

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔ اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادے رہے:

- ۱- شرح عقود رسم مفتی۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
 - ۲- مقدمہ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
 - ۳- العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری۔ رضا اکیڈمی ممبئی۔
 - ۴- تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضریٰ بک / مترجمہ عبدالسلام ندوی۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
 - ۵- الفقہ الاسلامی وادلہ۔ الدكتور وحید الزحیلی۔ دار الفکر۔ دمشق
 - ۶- مقدمہ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ۔ علامہ ابوالحسنات عبداللہ فرنگی محلی۔ فاروقیہ بکڈ پو۔ دہلی
 - ۷- فتاویٰ مظہریہ۔ علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ ادارہ مسعودیہ۔ کراچی۔
 - ۸- آداب الاقفا۔ مولانا سید ظہیر احمد قادری رضوی۔ بیت السادات، دودھ پور۔ علی گڑھ
 - ۹- تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عظیم الاحسان۔ مکتبہ برہان۔ دہلی
 - ۱۰- مقدمہ فقہی پہیلیاں۔ علامہ ارشد القادری۔ کتب خانہ امجدیہ۔ دہلی
 - ۱۱- حیات اعلیٰ حضرت۔ ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری۔ قادری بکڈ پو، نو محلہ۔ بریلی
 - ۱۲- حیات ملک العلما۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ادارہ نعمانیہ۔ لاہور
 - ۱۳- ماہنامہ جہان رضا۔ جون ۱۹۹۹ء۔ مدیر بیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مرکزی مجلس رضا۔ ممبئی۔
- ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ، فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گزارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لمحات بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔
- فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور ضمنی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی وجہ میرے سامنے تھی:

- ۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔
- ۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔ امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات، ارضیات اور فلکیات کی جملہ شاخیں ان کے وسیع ذہن میں کھٹی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ سب سے اپنے موقف کی تائیدیں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں ضروری ہے کہ ضمنی غیر متعلق افادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ بھرپور استفادہ کر سکے۔ فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر رسائل کی فہرست میں جملہ دے کر اہم ضمنی مسائل کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں۔

ماخذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ تفسیر۔ ۲۔ حدیث۔ ۳۔ عقائد، اصول، فقہ۔ ۴۔ سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہر ایک خانے کی کتابیں الفبا کی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقید سن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔ اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔ مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سنہرا سلسلہ ترتیب و اشاعت شروع کر رکھا ہے۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی چھبیس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ کی فہرست کتب، مولانا عبدالحی لکھنوی کی ”اسلامی علوم فنون ہندوستان میں“، زاغ طباطبائی کی ”تاریخ افکار و علوم اسلامی“ اور اپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یا سن وصال دریافت نہ ہو سکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود تشنگی باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمائوں کے سہارے یہ مرحلہ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس خصوص میں مخدوم گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائے کلمات سے نوازا۔ گرامی قدر مرتب اعزازی، نبیرہ ملک العلمہ محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب زید کرمہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہر قدم پر احقر کا تعاون فرمایا اور اپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔ محبت گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتہ فاروقی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔ جناب احسن نیازی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اپنائیت اور محنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گزارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگاتا۔

ترتیب و کتابت میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دور دور ہی رہیں لیکن بتقاضائے بشریت سہو ممکن ہے۔ اہل نظر اپنی مخلصانہ ہدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصر فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گناہگار کے لئے سامان آخرت کرے اور اپنے محبوب بندے حضرت ملک العلمہ قدس سرہ کی روحانی توجہ ارزانی کا سبب بھی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

۲۱ ربیع النور شریف ۱۴۲۲ھ / ۲۲ مئی ۲۰۰۳ء بروز شنبہ، ایک بجے دن

ملک العلماء - ماہ و سال کے آئینے میں

نبیرہ ملک العلماء، ڈاکٹر طارق مختار

شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

- ۱۳۰۳ھ : ولادت ۱۰/ محرم الحرام
- ۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی
- ۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موش، بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی
- ۱۳۲۰ھ : ۲۵/ جمادی الآخرہ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۳ھ) سے مندرجہ امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی
- ۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دارالعلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پہلی بحیثیت آگئے
- ۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام سلیم دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے
- ۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری
- ۱۳۲۲ھ : ملک العلماء کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دارالعلوم منظر اسلام کا قیام
- ۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز
- ۱۳۲۲ھ : ۸/ رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا
- ۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : شرح کتاب الشفا بتریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز
- ۱۳۲۳ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف
- ۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتاء سے سرفرازی
- ۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا
- ۱۳۲۵ھ : تعلق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیٰ فی المساجد (فقہ) کی تصنیف

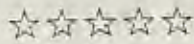
- ۱۳۲۶ھ : دارالعلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز
- ۱۳۲۶ھ : بسط الراحة فی النظر والاباحة (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : المجمل المعد و التالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۸ھ : بحم الکفرہ علی الکلاب المظفرہ (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے
- ۱۳۲۹ھ : النہر اس لدفع ظلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر مدرسہ خفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے
- ۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت و ہیئت) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوہین، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : الطیب الاکسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے
- ۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : عقد مسنون ہمراہ رابعہ خاتون بنت منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ)
- ۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : صاحبزادی زرینہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ و انساب) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الاجازات المعتبرۃ (حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : صاحبزادی ولیہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیرہ شہرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

حیثیت سے شہسرام تشریف لے گئے۔

- ۱۳۳۳ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رامپور، کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : گنجینۃ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شیر خوارگی میں انتقال ہو گیا
- ۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : تذیب (فلسفہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم و صلوٰۃ کی تخریج)
- ۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوفۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ) (فتہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت
- ۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاخبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز
- ۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور المعیون (اخلاق) کی تصنیف
- ۱۳۳۸ھ : ندوة العلماء (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۹ھ : صاحبزادی ریحانہ خاتون کی ولادت [مرتبہ خاتون]
- ۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آ گیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ پھر سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے
- ۱۳۳۹ھ : ہادی الہدایۃ لترك الموالاة (سیاست) کی تصنیف
- ۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف یہ سلم السماء (ہیت) کی تصنیف
- ۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف
- ۱۳۴۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت

- ۱۳۳۴ھ : نہایت المقتضیٰ فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۳۴ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۵ھ : جامع الرضوی المعروف بفتح البہاری جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی
- ۱۳۳۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۳۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
- ۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۵۳ھ : نضرۃ الاسحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الانوار الملامع من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الفوائد الثامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد و کلام) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الهلال (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۸ھ : مشرقی اور مست قبلہ (ہیئت) کی تصنیف
- ۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظماء فی فضل العلماء (فضائل) کی تصنیف
- ۱۳۶۶ھ : سد القرائن لہا جری بہار (نصائح / سیاست) کی تصنیف
- ۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۹۳۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے
- ۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے
- ۱۳۷۰ھ : عمید کاچاند (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حق علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

- ۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہ میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق متین گھاٹ، پٹنہ کی استاد عا پر پورنیہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا
- ۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے
- ۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ”النور والضیاء فی سلاسل الاولیاء“ تصنیف فرمایا
- ۱۳۸۲ھ : ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!



پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی
مرکزی دارالافتاء، ۸۲/سوداگران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلماء حضرت علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصاً فنونِ نادرہ ہیأت و توقیت، ہندسہ و ریاضی، جبر و تفسیر، اوفاق و اعداد میں آپ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقوں سے بھر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقوں سے یہ نقوش بھرنے کی مہارت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأتِ داں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ و اصول میں بھی بے مثل و بے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرا می لکھتے ہیں:

”مقاماتِ دین کے فہم اور اصولِ دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلماء نے بھی اسی بارگاہِ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت و توقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔“

[فتاویٰ ملک العلماء ص ۳۹]

حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ آدابِ افتاء اور جزئیاتِ فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴ رسالہ فتویٰ نویسی فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسالے تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵ فقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرا می زید مجدہ نے ملک العلماء کے فقہی شاہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ ناچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتب کردہ یہ قیمتی مجموعہ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلماء کے بہت ہی ژولیدہ خط فقہی شاہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شیرازہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں جن کی قدر و قیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلماء کی

حیات طیبہ، ان کے علم و فضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فقہ و افتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند حنفی فقہاء اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔ علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثاری، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، درد مند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تہذیب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہو گا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔“

[فتاویٰ ملک العلماء، ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مبتدی شائق فقہ کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تلخیص کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلماء کی فقہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تفقہ، تقصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلماء کی فقہیت ایسی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلماء کی فقہیت کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پر خلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی وسندی و استاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع الرضوی کے بانی شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے نگران حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نعیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محبت گرامی حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

اراکین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے توفیق رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلماء کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین و جملہ معائن کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

ساحل شہسرامی - ایک تعارف

☆ قلمی نام :	ساحل شہسرامی (علیگ)
☆ نام :	ارشاد احمد رضوی
☆ ولدیت :	جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی
☆ تاریخ پیدائش :	۱۹ ستمبر ۱۹۷۳ء
☆ مستقل پتہ :	کاشانہ برکات رضا - وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115
☆ موجودہ پتہ :	پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ
☆ تعلیمی نسبتیں :	ضیائی، مصباحی، علیگ
☆ تعلیمی اسناد :	عالیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

- ☆ مقالات : دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات
- ☆ فتاویٰ : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

☆ تصانیف و تراجم :

تصانیف :

- (۱) خاندان برکات کی علمی اور ادبی خدمات مطبوعہ
- (۲) تبرکات خاندان برکات مطبوعہ
- (۳) تصانیف خاندان برکات مطبوعہ
- (۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن - ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ مطبوعہ
- یہ کتاب امن ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔
- (۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری مطبوعہ
- (۶) تاریخ ولادت نبوی غیر مطبوعہ
- (۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ غیر مطبوعہ

- (۸) خواجہ ہند کی صوفیانہ شاعری
غیر مطبوعہ
- (۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار
غیر مطبوعہ
- (۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات و افکار
غیر مطبوعہ
- (۱۱) امام احمد رضا اور شہسرام
غیر مطبوعہ
- (۱۲) مفتی اعظم
غیر مطبوعہ
- (۱۳) صدر الشریعہ
غیر مطبوعہ
- (۱۴) ملک العلماء
غیر مطبوعہ
- (۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدر الافاضل
غیر مطبوعہ
- (۱۶) حافظ ملت
غیر مطبوعہ
- (۱۷) شارح بخاری
غیر مطبوعہ
- (۱۸) حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری
زیر طبع
- (۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات و خدمات
زیر طبع
- تراجم:

- (۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی
زیر طبع
- (۲) النور والہب لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء - سراج العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری
زیر طبع
- (۳) وجود العاشقین - خواجہ سید محمد بندہ گیسو دراز
غیر مطبوعہ
- (۴) ایم اے عربی (اے ایم یو) کی نصابی نظموں کا ترجمہ
زیر طبع
- مرتبات:

- (۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات)
زیر طبع
- (۲) اسلامی نظریہ موت - ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی
مطبوعہ
- (۳) فتاویٰ ملک العلماء
مطبوعہ

فہرست مضامین

- ۱- شرف انتساب ۳
- ۲- تقریب جلیل تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری ۴
- ۳- کلمات تکریم پروفیسر مختار الدین احمد ۵
- ۴- تقریب مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی ۷
- ۵- تقدیم علامہ ساحل شہسرامی ۱۰
- ☆ حیات ملک العلماء ۱۰
- ☆ علوم حدیث میں عبقریت ۱۳
- ☆ مناظرانہ مہارت ۱۴
- ☆ ہیئت توقیت میں درجہ امتیاز ۱۵
- ☆ سوانحی ادب پر عبور ۱۷
- ☆ تصوف سے والہانہ لگاؤ ۱۹
- ☆ فقہ وافتا کی تعریف ۲۰
- ☆ فقہ وافتا کی تاریخ ۲۲
- ☆ فقہاء کے طبقات ۲۵
- ☆ کتب احناف کے طبقات ۲۶
- ☆ مستند متون، شروح اور فتاویٰ ۲۸
- ☆ فتاویٰ کی تاریخ ۲۸
- ☆ منصب افتا کے تقاضے ۳۰
- ☆ مفتی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے۔ ۳۱
- ☆ حضرت ملک العلماء کی فتاہت ۳۲
- ☆ کچھ ترتیب کے متعلق ۳۸
- ۶- ملک العلماء ماہ و سال کے آئینے میں - ڈاکٹر طارق مختار ۵۳
- ۷- پیش لفظ مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی ۵۸
- ۸- علامہ ساحل شہسرامی - ایک تعارف ۶۰

فتاویٰ ملک العلماء

کتاب الطہارۃ - ۱

- ۱- نجاست سے آلودہ روئی کے کپڑے کو کیسے پاک کریں؟ ۷۷
 ۲- کیا کتا نجس العین ہے اور حضرت امام اعظم کے یہاں اسے بغل میں لے کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۷۷
 ۳- کیا ڈھیلے سے استنجاء بدعت ہے؟ ۷۸
 ۴- عمامہ پر مسح کرنا کیسا ہے؟ ۷۹

کتاب الصلوٰۃ - ۲

- ۵- کیا اقامت بیٹھ کر سننی چاہئے؟ [تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح، ۱۳۳۰ھ]
 ☆ وقت تکبیر قیام سے متعلق چھ شکلیں ہیں:
 ☆ (۱) ایک ہی شخص امام و مکبر دونوں ہو اور اس نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی ہو۔ ۸۱
 ☆ (۲) ایک ہی شخص امام و مکبر ہے اور اس نے مسجد میں پہنچنے سے قبل تکبیر شروع کر دی۔ ۸۲
 ☆ (۳) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۳
 ☆ (۴) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد خلاف جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۵
 ☆ (۵) امام مسجد میں قریب محراب موجود ہے۔ مقتدی بھی موجود ہیں، تکبیر شروع ہو گئی، اس وقت بعض مقتدی مسجد میں داخل ہوئے۔ ۸۶
 ☆ (۶) امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور مؤذن غیر امام ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس میں مجتہدین کے پانچ قول ہیں: ۸۸
 ☆ قول اول: امام و مقتدی سب ختم تکبیر کے بعد کھڑے ہوں (امام شافعی وغیرہ) ۸۸
 ☆ قول دوم: سب قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ (امام احمد بن حنبل) ۸۹
 ☆ قول سوم: پہلے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ دوسرے پر نماز شروع کر دیں۔ ۹۰
 ☆ قول چہارم: امام مالک وقت کی تحدید نہ کی۔ مگر اکثر مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ختم کے بعد سب کھڑے ہوں۔ ۹۱

☆ قول پنجم: سب جی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور جی علی الفلاح کی ابتدا پر کھڑے ہوں (امام اعظم)

۹۳

اس پر پچاس کتب دینیہ کی تصریحات۔

۹۸

☆ مخالفین کے شبہات و خیالات کے جوابات

۱۰۵

۶- سجدے میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟

۷- امام جہاں کھڑا ہوتا ہے، وہ جگہ عام صف سے چار انگل بلند ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۱۰۷

دہلیز اور محراب کا کیا حکم ہے؟

۱۱۰

۸- امام نے قرأت شروع کر دی تو کیا اب مقتدی ٹاپڑھ سکتا ہے؟

۱۱۱

۹- دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا کیسا ہے؟

۱۱۲

۱۰- جمعہ کی نماز میں امام پہلی صف کے اندر بیچ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۱۱۳

۱۱- مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدی باقی دو رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے یا نہیں اور

۱۱۳

مسافر امام کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟

۱۱۳

۱۲- ایک امام بھرا اور مکروہ آواز ہے اور دوسرا صحیح سنتا ہے اور اچھی آواز رکھتا ہے تو ان میں کس کی

۱۱۳

امامت بہتر ہے؟

۱۱۳

۱۳- ولد الحرام کی امامت کیسی ہے؟

۱۱۳

۱۴- جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کرتا ہے، رفع یدین اور آمین بالجبر کہتا ہے، اس کی امامت کیسی ہے؟

۱۱۷

۱۵- زید کا خولیش قادیانی ہو گیا، زید کی لڑکی اب بھی اس قادیانی کے یہاں ہے۔ زید نے اپنے داماد سے

۱۱۷

بول چال بند کر دی ہے لیکن اپنی بیٹی اور اس کے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس صورت میں زید کی اقتدا

۱۱۸

میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

۱۱۹

۱۶- غیر مقلد، سنی مسجد کا امام نہیں ہو سکتا۔ (بہت نفیس بحث)

۱۱۹

۱۷- زید کے بواسیری متوں سے رطوبت جاری رہتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک ہی وضو سے عشاء اور تراویح

۱۲۷

کی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ امامت کرے تو کیا حکم ہے؟

۱۲۷

۱۸- زید نے کانپور میں اقامت اختیار کی، شادی بیاہ کیا، ذاتی مکان بنایا، اولاد ہوئی پھر بچے جو ان ہوئے تو

۱۲۸

آیا کانپور زید اور اس کے بچوں کا وطن اصلی ہوا یا نہیں؟

۱۳۰

۱۹- جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہئے، اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

۱۳۰

۲۰- عمر و کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں، اسے تغلیباً اذان کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اسے اقامت کی طرح

۱۳۱

مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونا چاہئے۔ اصل حکم شرعی کیا ہے؟

۱۳۲

۲۱- خطبہ پڑھنا اور سننا سنت ہے یا فرض؟

۱۳۳

۲۲- بیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

- ۲۳- دیہات میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ ۱۳۵
- ۲۴- ظہر احتیاطی کی اصل کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۳۷
- ۲۵- جو دیہاتی جمعہ نہ پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟ ۱۳۹
- ۲۶- کیا جمعہ کی صحت ادا کے لئے سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی شرط ہے؟ ۱۳۹
- ۲۷- دیہات میں نماز عیدین جائز یا نہیں؟ ۱۴۰
- ۲۸- بمبئی سے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید قرباں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۴۱
- ۲۹- نماز جنازہ میں جو چیزیں امام پڑھتا ہے، کیا مقتدی بھی وہی پڑھیں؟ ۱۴۱
- ۳۰- ایک مسجد آبادی کے شمالی کنارے پر ہے۔ مسجد دور ہونے اور راستہ نامموار ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ شیخ وقت نمازیں باجماعت ادا کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں آبادی کے جنوبی کنارے پر نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۱۴۲
- ۳۱- حلال اور حرام دونوں قسم کی رقم مخلوط ہے اس سے مسجد بنوانا کیسا ہے؟ ۱۴۳
- ۳۲- ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ اسے کرایہ پر اٹھانا کیسا ہے؟ ۱۴۵
- ۳۳- مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے اور اس سے روکنے والے کا کیا حکم ہے؟ ۱۴۶
- ۳۴- ☆ پرانی مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ (فارسی) ۱۴۶
- ☆ زیارت قبور کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟
- ☆ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- ☆ ضیافت میت کا شرعی حکم کیا ہے؟
- ☆ بے نمازی کی قبر پر جانا کیسا ہے؟
- ☆ گائے کی قربانی کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟ ۱۴۷

کتاب الزکوٰۃ ۳

- ۳۵- زید کی پونجی ایک ہزار تھی۔ ایک سال تجارت کے بعد دو سو روپے کا اسے منافع ہوا۔ زکوٰۃ کس پر فرض ہوگی؟ اصل پونجی پر، صرف منافع پر یا دونوں پر؟ ۱۴۹
- ۳۶- کھاس کے پلوں عشر واجب ہے یا نہیں اور اس کے مصارف کیا ہے؟ ۱۴۹
- ۳۷- نانہ، نانہ، بیچا کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
- ۳۸- حضرات سادات کو زکوٰۃ دینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
- ۳۹- قرض دار سید زادے کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۵۲

کتاب الصوم ۴

- ۱۵۴ - کیا روزہ رکن اسلام ہے؟ اور آیت کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" میں "شَهِدَ" سے کیا مراد ہے؟
- ۱۵۵ - رسالہ مبارکہ "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) (ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا کیسا ہے؟)
- ۱۵۶ ☆ کس وقت روزہ رکھنا فرض اور عید کرنا واجب ہے؟
- ☆ چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا ہر جگہ والے خود دیکھ کر روزہ اور عید منائیں یا دوسری جگہ کی رویت بھی کفایت کرے گی؟
- ۱۶۰ ☆ اختلاف اقوال ائمہ کی صورت میں کس پر عمل کرنا چاہئے؟
- ۱۶۵ ☆ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا لندن میں چاند کی رویت کی خبر سے ہندوستان والے عید وغیرہ منا سکتے ہیں؟
- ۱۶۹ ☆ جدید اطلاعی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون وغیرہ اس سلسلے میں شرعاً معتبر ہیں یا نہیں؟
- ۱۷۱ ☆ کیا جمعیت العلماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جاسکتی ہے، کیا یہ فتویٰ شرعاً درست ہے؟
- ۱۷۵ - ۳۲ - روزہ افطار کرنا چاہئے۔ اسلامی حکم کیا ہے؟
- ۱۸۰ - ۳۳ - افطار کی دعا میں سب ماضی کے صیغے ہیں۔ ان سے معنی مستقبل مراد لئے جائیں گے یا ماضی؟
- ۱۸۱ - ۳۴ - نماز اور روزے کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟
- ۱۸۱ - ۳۵ - نماز اور روزے کا فدیہ کس طرح ادا کریں؟ (فارسی)

کتاب النکاح ۵

- ۱۸۴ - ۳۶ - ایجاب و قبول کے دوران اگر کسی نے قبول میں صرف الحمد للہ کہا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟
- ۱۸۴ - ۳۷ - چوری چھپے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق زوجیت متہور نہ ہو۔
- ۱۸۵ - ۳۸ - عمرو کے نکاح میں پھوپھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟
- ۱۸۶ - ۳۹ - عمرو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے زید کی شادی جائز یا نہیں؟
- ۵۰ - ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس عورت کی پہلے شوہر سے سات برس کی لڑکی تھی اور اس شخص کا پہلی بیوی سے دس برس کا لڑکا تھا ان دونوں کے مذکورہ بیٹائی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟
- ۱۸۶ - ۵۱ - سگی بیٹی بہو بیوہ سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟
- ۱۸۶ - ۵۲ - ایک غیر مسلم طوائف نے بغیر اسلام لائے ایک مسلمان سے نکاح کیا، اس کے ساتھ کچھ دن رہ کر اسلام لائی اور پھر بکر کے ساتھ نکاح کیا۔ کون سا نکاح صحیح ہوا؟
- ۱۸۷

- ۵۳- ایک شخص نے ایک نوجوان کو اس وعدے پر اپنے گھر میں رکھا میں تمہیں اپنا داماد بناؤں گا، تم میرے گھر کا خیال رکھو۔ مجوزہ داماد بہت قرض دار تھا اس شخص نے اس کا قرض ادا کیا اور مجوزہ داماد نے اس سے شادی کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کچھ رقم ہو جائے تو شادی کر دوں۔ پھر وہ نوجوان اور اس کی لڑکی فرار ہو گئے۔ مقدمہ دائی ہوا اور دونوں پکڑے گئے اب یہ شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس تلاش سے نہ کر کے دوسرے سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت کرنے پر لڑکی بھی پہلے نکاح ہونے سے انکاری ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرار ہو کر نکاح کر لیا تھا۔ لڑکی بالغہ ہے۔ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۸۷
- ۵۴- زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ پھر حلالہ کرنے کے لئے عمرہ کو مقرر کیا کہ وہ نکاح کر کے صحبت کرے اور دو تین دن کے بعد طلاق دیدے۔ عمر کا اس طور سے نکاح درست ہے یا نہیں، اور وہ عورت شوہر اول زید کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ (فارسی) ۱۹۰
- ۵۵- نابالغ کا نکاح باپ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا ماں اسے روک سکتی ہے اور ولی کون ہے؟ ۱۹۱
- ۵۶- ولی غیر جابر نے نابالغہ بچی کا نکاح زید سے کیا۔ بلوغ کے بعد اسے نسخ نکاح کا حق حاصل یا نہیں اور کیا نسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے؟ (فارسی) ۱۹۱
- ۵۷- بالغہ ہندہ کا نکاح اس کی مرضی اور اطلاع کے بغیر اس کے بھائی نے زید سے کر دیا اور ایک حیلہ سے اسے زید کے یہاں لے کر پہنچا۔ ہندہ کو جب اس رشتہ کی اطلاع ہوئی وہ فوراً زید کے یہاں سے چلی آئی۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۹۲
- ۵۸- زید نے نابالغہ ہندہ کی شادی اپنی ولایت میں کی۔ ہندہ کے ماں باپ حیات نہیں، نانا، نانی نے اس کی پرورش کی۔ ہندہ نے بالغ ہونے کے بعد بھی سسرال آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۱۹۳
- ۵۹- زید فضولی نے ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے خالد کے ساتھ ایک مجمع عام میں کر دیا۔ گواہ متعین نہ کئے۔ زید یا ہندہ کے باپ نے ہندہ سے نکاح کے پہلے اجازت لی تھی یا نکاح کے بعد اطلاع دی مگر ہندہ کو اتنی خبر تھی کہ آج خالد کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ دوسروں نے جب اسے نکاح کی خبر دی تو ہندہ چپ رہی اور خلوت سمجھ بھی ہو گئی اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ (چند مقتضیان کرام کے جوابات اور اخیر میں حضرت ملک العلماء کا مفصل اصلاحی جواب) ۱۹۴
- ۶۰- اگر والدین سید لڑکیوں کا نکاح پٹھان لڑکوں سے کرادیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں اور کفایت کا کیا مطلب ہے؟ ۲۰۳
- ۶۱- بالغہ ہندہ نے ولی کی اجازت کے بغیر زید غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۲۰۴
- ۶۲- زید کی منکوحہ ہندہ کا نکاح بالجبر عمرہ کے ساتھ کرانا کیسا ہے اور اس میں شریک افراد کا کیا حکم ہے؟ ۲۰۵
- ۶۳- عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

- ☆ عاقلہ بالغہ نے بذریعہ تحریر زید کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا زید نے اپنی وکالت میں اس کا نکاح عروس کے
۲۰۶ کے اسے مطلع کر دیا۔ یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟
- ۶۳- زید نے اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو کچھ زمین دین مہر میں زبانی دیدی تھی، جس پر ہندہ قابض بھی ہے۔
۲۰۷ لیکن زید اب رجسٹری سے انکار کرتا ہے۔ وہ زمین اب کس کی ہے اور زید کا انکار کیسا؟
- ۶۴- زید حنفی نے اپنی حنفیہ بیوی سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا۔ بعد میں بیوی کی اطاعت سے خوش ہو کر اس
۲۰۷ نے مہر تین ہزار کر دیا۔ یہ اضافہ جائز ہے یا نہیں؟
- ۶۵- ہندہ نے شیر خوار بچہ چھوڑا۔ اس کی پرورش کا حق کسے ہے جب کہ اس کا باپ، دادا، دادی، نانا،
۲۰۸ نانی موجود ہیں؟ متوفیہ کا جہیز کس کی ملکیت ٹھہرے گا اور بچے کے مال کا ولی کون ہے؟
- ۶۶- شادی کے وقت یا شادی کے بعد عورت کو شوہر یا سر یا اس کے ماں باپ جو زیورات اور ظروف
۲۰۹ دیتے ہیں، وہ کس کی ملکیت سمجھے جائیں گے؟
- ۶۷- پتوہ کو سسر نے عاریتاً زیور دیا، اب اس کا مالک کون ہے؟
۲۱۰

کتاب الطلاق ۶

- ۶۸- زید نے تحریر کے ذریعہ مطلق طلاق رجعی اور طلاق بائن دی تو کیا حکم ہے؟
۲۱۱
- ۶۹- زید نے کچھ روپیہ لے کر ہندہ کی علیحدگی پر کورٹ میں اپنی رضامندی داخل کر دی اس صورت میں
۲۱۲ ہندہ کا نکاح بکر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟
- ۷۰- زید نے نکاح ثانی کے ولی سے کہا "میں اپنی پہلی بیوی کو خفیہ طلاق دے سکتا ہوں" پھر ولی کو ایک علیحدگی جگہ
لے گیا اور کہا: آپ کسی پر یہ طلاق دینا ظاہر نہ کیجئے۔ لیکن اس نے وکیل سے کہہ دیا۔ ولی اور وکیل نے زید
۲۱۳ سے پوچھا: کام ہو گیا؟ اس نے کہا ہاں! کام ہو گیا۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟
- ۷۱- اگر شوہر بیوی سے کہے "تو میری ماں میں تیرا بیٹا" تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟
۲۱۳
- ۷۲- زید نے اپنی بیوی سے کہا "تجھ کو رکھو تو اپنی ماں کو رکھوں" ظہار ہوا یا نہیں؟
۲۱۵
- ۷۳- کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے "اگر تو نکاح کرے تو تو ماں ہے" اس سے نکاح کے بعد ظہار ہوگا یا نہیں؟
۲۱۶
- ۷۴- اگر شوہر کا عین ہونا تحقیقی سے معلوم ہو تو نکاح صحیح کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ (فارسی)
۲۱۷
- ۷۵- کنوارے مرد اور عورت نے زنا کیا تو ان کی سزا کیا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟
۲۱۷

کتاب السیر ۷

- ۷۶- ایمان اور کفر کی حقیقت کیا ہے، کفر کی کتنی صورتیں ہیں، کوئی مسلمان کافر کب ہوتا ہے؟
۲۱۹
- ۷۷- دار الحرب اور دار الاسلام کسے کہتے ہیں اور ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟
۲۲۱

- ۷۸- زید نے کہا ”تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟“ اس کا کیا حکم ہے؟ ۲۲۲
 ۷۹- ہندوؤں کے ساتھ سوالات اور ان کی خاطر گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے؟ ۲۲۳
 ۸۰- وہابی کسے کہتے ہیں، وہ شرعاً کافر ہیں یا بے دین؟ ۲۲۸
 ☆ وہابیوں سے میل جول رکھنا کیسا ہے وغیرہ وغیرہ؟ ۲۲۹
 ۸۱- ترک سوالات اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں اور حرمین طہین کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟ ۲۳۱

کتاب الوقف ۸

- ۸۲- ہندو زمیندار کی زمین پر اس کی اجازت سے بنائی گئی مسجد مسجد ہے یا نہیں؟ ۲۳۵
 ۸۳- طوائف عورتوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد ہیں یا نہیں؟ ۲۳۶
 ۸۴- ایک جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے لیکن اب وہاں تدفین نہیں ہوتی۔ وہاں مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷
 ۸۵- چار بھائیوں نے اپنی موروثی جائیداد والدین کے فاتحہ، قرآن خوانی اور مفلس رشتہ داروں کی امداد کے لئے وقف کر دی۔ بعد میں کورٹ میں مقدمہ کیا کہ چونکہ اس میں مفلس عزیزوں کی تنخواہ کا بھی معاملہ ہے لہذا یہ وقف نہیں۔ تو ایسی جائیداد شرعاً وقف سمجھی جائے گی یا نہیں؟ ۲۳۸

کتاب القضا ۹

- ۸۶- رسالہ مبارکہ ”تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب“ (۱۳۳۶ھ) ۲۳۹

کتاب الاضحیہ ۱۰

- ۸۷- ☆ ہندوؤں سے ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر شکار کیا۔ ذبح کرنے سے پہلے شکار مر گیا، اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
 ☆ کھٹک ہندو بکری کا گوشت بیچتا ہے۔ مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے۔ کھٹک وہیں سے لے جا کر گوشت فروخت کرتا ہے ایسی صورت میں اس سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
 ☆ زید زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن پھر بھی بلا عذر اپنے چنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ۲۷۳
 ۸۸- اگر کوئی مسلمان بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ (فارسی) ۲۷۳
 ۸۹- ☆ بتوں پر چھوڑے جانور کو خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟
 ☆ کسی مسلمان نے دوسرے کو اپنا جانور یہ کہہ کر دیا کہ اسے لے جاؤ اور اپنے نام سے قربانی کر لو تو اس کا ثواب کس کو ملے گا، قربانی کرنے والے کو یا جانور دینے والے کو بھی؟
 ☆ عقیقہ کی مدت کس عمر تک ہے؟ جوانی میں کسی کا عقیقہ ہو تو کیا اس کے سر کے بال بھی اتارے جائیں گے؟ ۲۷۵
 ۹۰- ☆ نمازی اگر غیر نمازی کے ساتھ مل کر قربانی کرے تو نمازی کے ثواب میں کوئی کمی تو نہ ہوگی؟

- ☆ حضور نے ایک چٹکبر امینڈھا ساری امت کی جانب سے قربانی کیا تو پھر چند امتی ایک شخص میں حصہ دار کیوں نہیں بن سکتے؟ ☆ ختنہ وغیرہ کی دعوت میں شرکت کیسی ہے؟ ☆ قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ اجنبی شخص جس نے دلہن کو دیکھا بھی نہیں اور نہ اس کی آواز پہنچاتا ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۷۶
- ۹۱- قربانی کی کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۲۷۸
- ۹۲- قربانی کی کھال کی قیمت سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور "یتصدق بجلدھا" میں صدقہ واجبہ مراد ہے یا صدقہ نافلہ؟ [اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد، ۱۳۲۵ھ] ۲۷۹
- ۹۳- قربانی کی کھال بیچ کر مدارس کے مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۹۰
- ۹۴- ☆ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی رقم مدارس میں براہ راست صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ☆ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ☆ ہندہ کا زید سے ناجائز تعلق ہوا اور حرام حمل بھی ٹھہر گیا، اسی حالت میں ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ یہ نکاح درست ہو یا نہیں؟ ۲۹۱

کتاب الحظر والاباحۃ ۱۱

- ۹۳- حدیث شریف "لو لاک لما خلقت الافلاک" کس کتاب میں ہے؟ ۲۹۳
- ۹۵- کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ ۲۹۶
- ۹۶- کیا حضور کو علم غیب ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے؟ ۲۹۸
- ۹۷- حضور کے علم کو ازلی یا ابدی کہنا درست ہے یا نہیں؟ ۲۹۹
- ۹۸- اگر حضور کو علم غیب تھا تو حدیث جبریل میں "ما المسنول عنها اعلم من المسائل" کا کیا مطلب ہے؟ ۲۹۹
- ۹۹- کیا ایک دن میں کئی ختم قرآن کر سکتے ہیں؟ ۳۰۱
- ۱۰۰- ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟ ۳۰۱
- ۱۰۱- حقوق اللہ، حقوق العباد پر مقدم ہیں یا نہیں اور باپ کو ناراض کر کے منازل سلوک طے کرنا کیسا ہے؟ باپ کا اس کو اذکار و اشغال سے روکنا خطا ہے یا نہیں؟ ۳۰۳
- ۱۰۲- جو ہندو مسلمان ہونے کے ارادے سے قرآن حکیم پڑھنا چاہتا ہے، اسے قرآن پڑھانا کیسا ہے؟ ۳۰۹
- ۱۰۳- محمد، احمد دونوں اسم گرامی کی اسلامی فضیلت کیسا ہے؟ ۳۱۰
- ۱۰۴- عالم خواب میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ ۳۱۱
- ۱۰۵- مرشد سے توجہ لینا، ہاتھ پیر چومنا، مکاشفہ کا قائل ہونا، اجرت پر وعظ کہنا، میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۱۲
- ۱۰۶- مدارِ یہ سلسلہ میں بیعت ہونا کیسا ہے اور کیا یہ سلسلہ متصل ہے؟ جاہل سے بیعت کیسی ہے اور کیا بسید

- ۳۱۷ سے بیعت ہونا افضل ہے؟
- ۳۸۶ ۱۰۷- فاتحہ مروجہ جائز ہے یا نہیں؟
- ۱۰۸- ایصالِ ثواب کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کیا یہ طریقے زمانہ رسالت میں صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھے؟
- ۳۲۰ [رسالہ مبارکہ "نصرۃ الاصحاح باقسام ایصال الثواب" ۱۳۵۴ھ]
- ۳۲۱ ☆ جواب سوال اول: قرآن حکیم، احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصالِ ثواب کا ثبوت۔
- ۳۲۷ ☆ قرآن حکیم میں ایصالِ ثواب کے طریقے:
- ۳۲۷ ☆ اول: مغفرت کی دعا کرنا
- ۳۳۰ ☆ دوم: ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا۔
- ۳۳۲ ☆ سوم: میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا۔
- ۳۳۳ ☆ چہارم: مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں ٹھہر کر اس کے لئے دعائے خیر کرنا۔
- ۳۳۵ ☆ دعا کرتے وقت چند چیزوں کا اہتمام کریں:
- ۳۳۵ ☆ اول: قرآن شریف کی کچھ سورتیں یا آیتیں پڑھیں۔
- ۳۳۸ ☆ دوم: اول آخردرد شریف پڑھیں۔
- ۳۴۰ ☆ سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل خیر کریں تاکہ رحمت الہی متوجہ ہو۔
- ۳۴۰ ☆ جواب سوال دوم: احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصالِ ثواب کے پچیس طریقے:
- ۳۴۱ ☆ پہلا طریقہ: سورہ اہلس شریف پڑھنا۔
- ۳۴۱ ☆ دوسرا طریقہ: میت کو پوشہ دینا۔
- ۳۴۷ ☆ تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا۔
- ۳۵۱ ☆ چوتھا طریقہ: کفن پر کوئی آیت یا دعا لکھنا۔
- ۳۵۴ ☆ پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت خوبیاں بیان کرنا۔
- ۳۵۵ ☆ چھٹا طریقہ: نماز جنازہ پڑھنا۔
- ۳۵۶ ☆ ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کے بڑوس میں دفن کرنا۔
- ۳۵۹ ☆ آٹھواں طریقہ: قبر تیار ہو جائے تو کوئی پرہیزگار شخص قبر میں تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی آیت یا دعا پڑھے۔
- ۳۶۱ ☆ نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا۔
- ۳۶۳ ☆ دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔
- ۳۶۵ ☆ گیارہواں طریقہ: نکیرین کے سوال کے وقت میت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔
- ۳۶۷ ☆ بارہواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذان دینا۔
- ۳۶۹ ☆ تیرہواں طریقہ: قبر پر کھجور کی شاخ یا کوئی سبز چیز رکھنا۔

- ۳۷۹ ☆ چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سر ہاتے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پانچویں آخر رکوع پڑھنا۔
- ۳۸۰ ☆ پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے۔
- ۳۸۱ ☆ سولہواں طریقہ: زیارت قبور کرنا کہ اس سے میت انس حاصل ہوتا ہے۔
- ۳۸۳ ☆ سترہواں طریقہ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا۔
- ۳۸۵ ☆ اٹھارہواں طریقہ: جمعرات، جمعہ کے دن خاص طور سے والدین اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔
- ۳۸۷ ☆ انیسواں طریقہ: سال بہ سال متعین دن میں قبروں کی زیارت کو جانا۔
- ۳۸۹ ☆ بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا۔
- ۳۹۱ ☆ اکیسواں طریقہ: قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب بخشنا۔
- ۳۹۳ ☆ بائیسواں طریقہ: نماز روزہ کا ثواب میت کو بخشنا۔
- ۳۹۶ ☆ تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے وقف کرنا۔
- ۳۹۷ ☆ چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔
- ۴۰۰ ☆ پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا۔
- ۴۰۲ ☆ جواب سوال سوم: حضرات صحابہ نے ایصالِ ثواب کے کون سے طریقہ اختیار کئے؟
- ۴۱۲ ☆ جواب سوال چہارم: فقہ حنفی میں ایصالِ ثواب کا طریقہ۔ امام اعظم کی وصیت
- ۴۱۳ ☆ ایصالِ ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔
- ۴۲۱ عرس کا شرعی حکم کیا ہے؟ [مواعب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ۱۳۲۴ھ]
- ۱۰۹ ☆ سند اول و دوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے بدر کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔
- ۴۲۳ ☆ اس حدیث پر مولوی اسحاق صاحب کے شیعہ کا مفصل اور مسکت جواب۔
- ۴۲۴ ☆ سند سوم: تعین اور تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے: شرعی اور عادی۔
- ۴۳۱ ☆ سند چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور صلحائے امت سبھی امور خیر کے لئے مخصوص دن مقرر فرماتے آئے ہیں۔ صوم دوشنبہ، جہاد اور وعظ کے لئے پنج شنبہ، درس کے آغاز کے لئے چہار شنبہ کی تعین ملتی ہے۔
- ۴۳۲ ☆ سند پنجم: اصل اشیا میں اباحت ہے۔
- ۴۳۶ ☆ مولوی اسحاق کی عبارت ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست“ کا علمی محاسبہ۔
- ۴۳۸ ☆ سند ششم: عرس کو سوا دا عظم مستحسن سمجھتا ہے۔
- ۴۳۸ ☆ سند ہفتم: مخالفین کے مستند اصحاب علم کی عبارتوں سے عرس کے جواز کی تائید۔
- ۴۳۹ ☆ سند ہشتم: حرمین شریفین کے علما کا تعامل اس کا مؤید ہے۔
- ۴۴۰ ☆ سند نهم: ”احب الاعمال الی اللہ اذومہا“ سے استناد۔

- ۴۴۱ ☆ سند دوم: عرس کا انعقاد عامۃ اہل اسلام کا عرف ہے جو شرعاً ایک قوی دلیل ہے۔
- ۴۴۲ ☆ تاثیر عرف کی متعدد نظیریں۔ (تلفظ ثبوت، تحویب، خطبے میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر، سلطان اسلام کے لئے دعاء اذان کے بعد تسلیم، نماز عصر کے بعد مصافحہ قرآن حکیم کی ترتین، مسجد کی آرائش، ختم تراویح میں دعا اور تین بار سورہ اخلاص کی قراءت، میلاد شریف کی مروجہ تحننیں، قیام و سلام، تقلید شخصی)
- ۴۴۳ ☆ عرس میں منہیات شرعیہ بہر صورت حرام ہیں۔ اسے بقدر استطاعت روکنا واجب۔
- ۴۴۹ ☆ زیارت قبور شرعاً مستحب ہے۔
- ۴۵۲ جواز فاتحہ کے دلائل اور ایک تحریر کا رد۔
- ۴۵۳ - ۱۱۰
- ۴۶۳ تعزیہ بنانا، اس پر مہندی، مالیدہ، کھچرا وغیرہ چڑھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟
- ۴۶۳ - ۱۱۱
- ۴۶۳ ☆ تعزیہ مروجہ بنانا اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے؟
- ۴۶۶ - ۱۱۲
- ۴۶۶ ☆ تندرست و توانا شخص جو صاحب نصاب بھی ہے، گداگری کرتا ہے۔ اس کی امامت کیسی ہے؟
- ۴۶۸ ☆ محفل و عظم ختم ہونے کے بعد سامعین کا عالم دین سے مصافحہ کرنا مسنون ہے یا بدعت؟
- ۴۷۱ ☆ جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں دوسروں کا جانا یا وہاں موجود لوگوں کا کہیں اور بھاگنا کیسا ہے نیز اس کے چھوٹ کی بیماری ہونے پر اعتقاد رکھنے کا کیا حکم ہے؟
- ۴۷۱ - ۱۱۳
- ۴۷۱ طاعون کی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا کیسا ہے؟
- ۴۷۲ - ۱۱۴
- ۴۷۲ حرارات اولیا کی توہین گناہ ہے یا نہیں؟
- ۴۷۳ - ۱۱۵
- ۴۷۳ ☆ کسی زیارت پر چادر چڑھانا اور سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ☆ میلاد شریف پڑھنا اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کیسا ہے؟ ☆ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ ☆ شیخ سعد کا بکرا پالنا اور کھانا کیسا ہے؟
- ۴۷۵ - ۱۱۶
- ۴۷۵ فریج کٹ داڑھی رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں؟
- ۴۷۶ - ۱۱۷
- ۴۷۶ حقیقی کوشا فقی یا مالکی مذہب اختیار کرنا کیسا ہے؟
- ۴۷۶ - ۱۱۸
- ۴۷۶ ہندوؤں کو سلام کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟
- ۴۷۷ - ۱۱۹
- ۴۷۷ روافض کے گھر کھانا پینا کیسا ہے؟
- ۴۷۷ - ۱۲۰
- ۴۷۷ کیا آیت کریمہ میں ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بے قاعدگی سے پڑھنے سے شیطان کا نام آجاتا ہے؟
- ۴۷۸ - ۱۲۱
- ۴۷۸ باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے تو قد ارجح میں الف کیوں ساقط ہو سکتا ہے؟

کتاب الفرائض ۱۲

- ۴۸۱ - ۱۲۲ کیا متوفیہ ہندہ کی جہیز و تکفین اور فاتحہ سوم و چہلم کے مصارف اس کی متروکہ جائداد سے ادا کئے جائیں گے؟
- ۴۸۱ - ۱۲۳ ہندہ نے مرنے سے پہلے مکان اپنے بیٹے زید کو بیہ کر دیا تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

- ۱۲۴- زید نے اپنے ورثہ میں دو لڑکے، ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا۔ اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ ۲۸۳
- ۱۲۵- حکیم نظام الدین نے چار لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ ۲۸۴
- ۱۲۶- متوفی زید سنی کے ورثہ شیعہ ہیں۔ تو زید کا ترکہ اس کے شیعہ وارثین کو بھی ملے گا یا نہیں؟ ۲۸۵
- ۱۲۷- زید نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے بینک میں جمع شدہ رقم ایک غیر وارث کے نام بیہ کردی اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی لیکن وہ رقم موہوب لہ کو وصول نہ ہوئی۔ اب اسے بھائی کی حق تلفی کا خیال آیا تو وہ یہ بیہ فتح کر سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۸۸

ضمیمہ

- ۱۲۸- فرائض و نوافل میں سورۃ فاتحہ یا کسی سورت کے دوبار پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ ۲۹۰
- ۱۲۹- حضور کے وصال کے بعد کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لا کر حسین کریمین کے اصرار پر اذان دی؟ اور آپ کا وصال کہاں ہوا؟ ۲۹۲
- ۱۳۰- مسجد کی کمزور عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۹۳
- ۱۳۱- ☆ شوہر نے بیوی سے کہا: تم میرا کہنا مانو، نہ مانو گی تو تمہیں طلاق دیتا ہوں، پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں پھر زوجہ کی سخت کلامی پر کہا تم پر طلاق ہے، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟ ☆ قربانی کی کھال وغیرہ کی قیمت مسجد میں نذر کر سکتے ہیں؟ ☆ قربانی کا جانور قرض کی رقم میں محسوب کر کے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ ☆ کیا قصاب کی اجرت قربانی سے پہلے ہی متعین کر لینی چاہیے؟ ۲۹۳

کتابیات



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۶۱۳۴۹]

فتاویٰ ملکہ العلماء

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ

کتاب الطہارۃ ۱

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از اعظم گزشتہ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روئی کا کپڑا نجاست سے ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ بینوا تو جرد۔

الجواب

اللہم ارننا الحق حقا والباطل باطلا۔ جس طرح بے روئی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روئی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتنا نچوڑنے سے کہ قطرہ نہ ٹپکے، پاک ہو جائے گا اگر نجاست مرتبہ نہ ہو۔

شرح وقایہ میں ہے: ”وعمالم یر اثرہ بغسلہ ثلاثا وعصرہ فی کل مرۃ۔“
عالمگیر یہ میں ہے: ”وان کانت غیر مرتبۃ بغسلہا ثلاث مرات کذا فی المحيط۔“ اور اگر نجاست مرتبہ ہو تو زوال عین سے پاک ہو جائے گا۔

وقایہ میں ہے: ”عن نجس مرئی بزوال عینہ ھکذا فی الغلمگیریۃ۔“
اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔
ہندیہ میں ہے: ”وما لا ینعصر بطہر بالغسل ثلاث مرات والتحفیف فی کل مرۃ لان للتحفیف اثرافی استخراج النجاسة وحد التحفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر ولا یشرط فیہ الییس ھکذا فی التبین“
۱۲ مختصر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب کتب کو نجس العین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ در مختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پلے کو بغسل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

الواجب

یہ اس شخص کا افتراء محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تصنیف ہے، نہ اس قائل کو جواز فعل وصحت عمل مع عدم جواز الفعل میں تیسرے ہے۔ جواز بمعنی صحت و بمعنی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی صحت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح و مسقط فرض۔ مگر وہ فعل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرما رہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ و ناپسند نہیں۔ غیر مقلدین و ہابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام خصم اللہ باللطف العام میں شمار کرنا محض سفاہت و بے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین اور ان کے موافقین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتا نجس العین ہے۔ اور ظاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطلقاً ان صورتوں میں نماز فاسد بتاتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اسات و کراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت و حاجت خواہ اپنی نادانی و جہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرے تو کوئی نا پسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس تہمت سے پاک و منزہ ہیں واللہ الحمد۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین ظاہر۔ یہی مذہب صحیح و معتد و موید بدلائل قرآن و حدیث و مختار و ماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدیم و الحدیث ہے۔ امام ابوالبرکات محمود شافعی کافی میں فرماتے ہیں: الکلب ليس بنجس العين۔

حلیہ میں ہے: ”کون الکلب ليس بنجس العين وهو المرجح في المختصر والهداية والوقاية والنقاية والمختار والکنز والنوافی والاصلاح ونور الايضاح والملتقى والتنوير۔ کل اهاب دبیغ فقد طهر الا جلد الخنزیر والادمی فمقتضى هذه الكلية طهارة جلد الکلب بالذباغ۔ هکذا فی مجمع الانهر ومنتنه ملتقى الابحر وجامع الموز و مراقی الفلاح والتیسیر والیزایة والدر المختار وغير ذلك من معتمدات الاسفار۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از میرٹھ مقام اکدر رسول پور مرسلہ حافظ عبدالکیم صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ
کیا ارشاد ہے علماء کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجا پاک کیا کرتے ہیں اور
ڈھلے سے بدعت بتاتے ہیں، یہ قول و فعل ان کا کیا ہے؟ بیٹو او تو جروا۔

الـجـواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

”مروا زوجکم ان یستطیبا بالماء فانى استحییهم فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ۔“
 تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔ پس تحقیق کہ حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجا پانی سے فرمایا کرتے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی۔

ابوداؤد ابن ماجہ میں انہیں سے مروی: "قالت بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام عمر خلفہ بکوز من ماء فقال ما هذا یا عمر؟ فقال ماء نتوضؤ بہ قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت لکان سنہ۔"

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔ فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجاء کے لئے پانی ہے۔ فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہو جاوے۔ المراد بالوضوء ہینا الاستنجاء بالماء کیما ذکرہ النووی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجاء کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجاء فرماتے۔ محض پانی سے استنجاء کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ ہندیہ میں ہے: ”الافضل ان یجمع بینہما“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ مرسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر مسح سر کیا کرتے ہیں غماصہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔ کیا رسول خدا نے گناہ کسی عذر سے ایک دو بار یا بلا عذر، اکثر فعل ہذا بنوع مسطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور حنفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الـجـواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ ہر گز ہر گز مسح کرنا ناجائز نہیں۔ اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔ نماز مشروط بشرط وضو ہے۔ جب وضو ہی نہیں ہوا، نماز بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ پھر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ولا يجوز المسح على القلنسوة والعمامة وكذا لو مسحت

المرأة علی الخمار الا انه اذا كان الماء متقاطراً بحيث يصل الماء إلى الشعر فح يجوز ذلك عن الشعر۔
خزانة المفتیین میں ہے: ”والمرأة اذا مسحت علی اخصارها لا يجوز الا اذا كان دقيقاً يتغذ الماء فيه

قبل ربع راسه کذا فی السراجیة والغنیة والخانیة۔“

اقول اور پر ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہو سکتی فضلاً ان ینلغ ربع راسہ۔
رہی حدیث، جو مروی ہے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے: ”قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی عمامته وحفیہ۔“ سو اس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گزرا تا۔

قسطلافی میں ہے: ”ی مسح علی عمامة بعد مسح الناصیة ويدل علیہ حدیث ابی داؤد عن انس رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يتوضأ وعلیہ عمامة قطریة فادخل یدہ من تحت العمامة فمسح مقدم راسہ۔“

علاوہ بریں اولاً حدیث مسح عمامہ کی محتمل اور نہیں چھوڑا جاتا متیقن بیچہ محتمل کے۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا دیا ہے نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناخ ہو سکے۔ کما ہو مبہرہن فی فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ و علماء کا ہے اور یہی قول سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی و حضرت امام الامامہ، سراج الامم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلوۃ ۲

تنویر المصباح للقیام عند حی الفلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

جواب

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول
و باللہ التوفیق۔

شکل اول: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) در مختار میں ہے: "اذا اقام الامام بنفسه فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامته ظہیریۃ"۔ "فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کر لے۔"

(۲) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "وان کان الہ وذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالہم یفرغ من الاقامۃ"۔ "اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے۔"

(۳) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین میں ہے: "هكذا اذا كان الموذن غير الامام وان اتحدوا اقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالہم یفرغ من الاقامۃ"۔ "(حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

ہے جب امام اور موذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جہت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۳) جامع الرموز میں ہے: ”لو كان الامام مودناً لم يقم القوم الا عند الفراغ وهذا اذا اقام في المسجد“۔ ”اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آ کر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۵) بحر الرائق شرح كنز الدقائق میں ہے: ”هكذا كله اذا كان المودن غير الامام فان كان واحدا او اقام في المسجد فالقوم لا يقومون حتى يفرغ من الاقامة“۔ ”یہ (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب موذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“

(۶) ملتقى الابحار اور اس کی شرح (۸) مجمع الانهر میں ہے: ”وفى القهستان فى نقلا عن المحيط“۔ ”لو كان الامام مودناً لم يقم القوم الا عند الفراغ“۔ ”اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“ واللہ اعلم۔

شکل دوم: امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے: ”والا فقد قاموا اذا دخله كما فى المحيط“۔

”اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آ کر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے۔“

(۳) فتح اللہ المحسن میں ہے: ”و ان خارجہ قام کل صف ينتہی الیہ الامام۔“ ”اگر امام اور مؤذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کر دی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ بگ کھڑے ہو جائیں۔“

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انہم لا یقومون ما لم یدخل الامام فی المسجد۔“ ”اگر امام و مؤذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کر دی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔“

(۵) درمختار میں ہے: ”و ان خارجہ قام کل صف ينتہی الیہ، بحر۔“ ”اگر امام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کر دی تو جیسے جیسے صفوں کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ یہ بحر الرقی میں ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم: امام اور مؤذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آ رہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، نہ جب مؤذن جی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) شرح بخاری و فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”و اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انہم لا یقومون حتی یروہ۔“ ”تکبیر شروع ہوئی اور امام مسجد میں نہیں تو جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔“

اور یہی حدیث بخاری و مسلم شریف سے ثابت ہے: ”عن ابی قتادۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوٰۃ فلا تقو مواحی ترونی۔“ ”جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ و علماء کا ہے۔“

(۵) التعلیق المسجد میں ہے: ”وقال ابو حنیفہ واصحابہ اذا لم یکن معہم الامام فی المسجد فانہم لا یقومون حتی یرو الامام لحدیث ابی قتادۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوٰۃ فلا تقو مواحی ترونی وهو قول الشافعی و داؤد۔“ ”امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے

فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے۔“

(۶) در مختار میں ہے: ”وان دخل من قدام قاصوا حين يقع بصرهم عليه“۔ ”تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آ رہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں۔“

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وان كان الامام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما راؤ الامام“۔ ”اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔“

(۸) بدائع الصنائع میں ہے: ”فان كان خارج المسجد لا يقومون مالم يحضر لقول النبي صلى الله عليه وسلم ”لا تقو موافي الصف حتى تروني خرجت“ وروى عن علي رضي الله عنه ”انه دخل المسجد فرأى الناس قياماً ينتظرونه فقال مالي اراكم سامدين اي واقفين متحيرين“ ولان القيام لاجل الصلوة ولا يمكن اداء هابدون الامام فلم يكن القيام مفيداً ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فكماراوه قاموا لانه كما دخل المسجد قام مقام الامامة“۔ ”پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: ”مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں۔“

اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق وشرعیات میں ہے: ”دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم عليه“۔ ”اگر امام

مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔“۔ ”هكذا في فتح الله المعين والخلاصة والطحطاوى على مراقى الفلاح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

شکل چہارم: امام و مؤذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: ”والا فيقوم كل صف ينتهي اليه الامام على الاظهر“۔ ”ورنہ ظاہر تریہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔“

(۲) دواالحکام میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ”قوله والاى وان لم يكن الامام بقرب المحراب بان كان في موضع آخر من المسجد او خارجه و دخل من خلف“۔ ح۔ ”اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی۔“

(۳) ایسا ہی علامہ طلی شارح درمختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”فاما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فكما جاوز صفًا قام ذلك الصف واليه مال شمس الائمة الحلواني والسرخسي و خواهر زادہ۔“ لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اسی کی طرف شمس الائمة حلوانی، سرخسی، اور خواہر زادہ کا میلان ہے۔“

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ”وان دخل من وراء الصفوف فالصحيح انه كلما جاوز صفًا قام ذلك الصف لانه صار بحال لو اقتدوا به جاز فصار في حقهم كانه اخذ مكانه“۔ ”اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی۔ کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا۔“

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ”وان لم يكن الامام حاضراً لا يقومون حتى يصل اليهم ويقف مكانه في رواية وفي اخرى اذا اختلط بهم وقيل يقوم كل صف ينتهي اليه الامام وهو

الاظہر۔“ اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔“

(۷) شرنبلالیہ میں ہے: ”والافیقوم کل صف ینتہی الیہ الامام علی الاظہر۔“ اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آ رہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے۔“

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے: ”فان لم یکن وقف کل صف انتہی الیہ الامام علی الاصح خلاصہ وفی الزیلعی وهو الاظہر۔“ پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آ رہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے۔“

(۱۱) بحر الرائق میں ہے: ”والافیقوم کل صف ینتہی الیہ الامام علی الاظہر۔“ اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے۔“

(۱۲) طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح: ”قوله یقوم کل صف الخ وفی عبارة بعضهم فکلما جاوز صفًا قام ذلک الصف۔“ بعض فقہاء کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

شکل پنجم: امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چکی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وإذا دخل الرجل عند الإقامة یکره له الانتظار قائما ولكن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المودن حی علی الفلاح کذا فی (۲) المضممرات۔“ ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب مودن حی الفلاح پر پہنچے تب وہ

کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے۔“

(۳) در مختار میں ہے: ”دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد الي قيام الامام في مصلاه“۔ ”ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو۔“

(۴) رد المحتار میں ہے: ”وبكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح“۔ ”اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔“

(۵) طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ”واذا اخذ المؤذن في الاقامة ودخل رجل في المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما في المضمرات (۶) فہستانی وبعہم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون“۔ ”علامہ طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں: اور جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ قہستانی نے کہا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔“

(۷) وقایہ و (۸) جامع الرموز میں ہے: ”وفی الکلام ایماہ الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامة يقعد لكرهية القيام والانتظار كما في المضمرات“۔ ”اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔“

(۹) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ”دخل المسجد و هو يقيم يقعد ولا يقف قائما“۔ ”کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے۔“

(۱۰) عمدۃ المرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”ويقوم الامام والقوم ای من مواضعهم الی الصف وفيه إشارة الی انہ اذا دخل المسجد يكره له الانتظار قائما بل يجلس فی موضع ثم يقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات“۔ ”امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

جگہ بیٹھ جائے پھر جی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم: امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موزن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ و مجتہدین کے پانچ قول ہیں:

قول اول: امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعت علما کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقد اختلف السلف متى يقوم الناس الى الصلوة (الى ان قال) ومذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم حتى يفرغ الموزن من الاقامة وهو قول ابی يوسف“۔ ”اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موزن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔“

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: ”واختلف في وقت القيام الى الصلوة فقال الشافعي والجمهور عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابی يوسف“۔ ”اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علما نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے۔“

(۳) نووی شرح مسلم میں ہے: ”واختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متى يقوم الناس الصلوة ومتنى يكبر الامام فمذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم احد حتى يفرغ الموزن من الاقامة“۔ ”علمائے سلف اور ان کے بعد علما نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے امام و مقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موزن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۴) التعليق الممجد میں ہے: ”قوله انه يقوم الى الصلوة اختلفوا فيه فقال الشافعي

والجمهور یقومون عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابی یوسف۔ یعنی علمائے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمهور کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی قول امام ابی یوسف کا ہے۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے: ”وابو یوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم في المحراب“۔ ”امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ مؤذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول دوم: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے: ”وكان انس رضي الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبه قال احمد“۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے۔“

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے: ”وقال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ يقوم“۔ ”امام احمد نے فرمایا کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں۔“

(۳) اسی میں ہے: ”وكان انس رضي الله تعالى عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وكبر الامام وحكاه ابن ابی شيبه عن سويد بن غفلة وكذا قيس بن حازم وحماد“۔ ”انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریر یہ کہتا۔ محدث ابن ابی شیبہ نے سويد بن غفلة اور قيس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا۔“

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”وعن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ رواه“

(۵) ابن المنذر و کذا رواه (۶) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبد اللہ۔ ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابی اسحاق عبد اللہ سے روایت کیا۔“

(۷) مصنف میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) یعنی میں ہے: ”مکرہ ہشام یعنی ابن عروہ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوٰۃ“۔ ”مصنف میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر و حسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقال زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرة قاموا واذا قال ثانيا افتتحوا“۔ ”امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔“

(۲) بدائع الصنائع میں ہے: ”وعند زفر و حسن ابن زیاد یقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ فی السرة الاولى و یکبرون عند الثانية“۔ ”امام زفر و حسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں۔“

(۳) رد المحتار میں ذخیرہ سے ہے: ”وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف واذا قال ثانيا کبروا“۔ ”امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں۔“

(۵) جامع الرموز میں ہے: ”وقال الحسن زفر اذا قال قد قامت الصلوٰۃ مرة (۶) کما فی المحيط“۔ ”امام حسن و زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول چہارم: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھر کم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”وقال مالک فی الموطا لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ بحد محدود الا انی ارى ذالك علی طاقۃ الناس فان فیہم الثقیل والخفیف وذهب الاکثرون الی انہم اذا کان الامام معہم فی المسجد لم یقوموا حتی یفرغ من الاقامة“۔ امام مالک نے موطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔“

(۳) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقد اختلف السلف متی یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذهب مالک وجہور العلماء الی انہ لیس لقیامہم حد“۔ ”سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔“

اسی میں ہے: ”ولکن استحب عامتہم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة“۔

لیکن عام علمائے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووی شرح مسلم میں ہے: ”ونقل القاضی عیاض عن مالک رحمہ اللہ و عامۃ العلماء انہ یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة“۔ ”امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علماء عامہ سے ایک روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے۔“

(۵) التعلیق الممجد شرح موطا امام محمد میں ہے: ”و عن مالک یقومون عند اولہا وفی

الموطا انه يرى ذلك على طاقة الناس فان فيهم الثقيل والخفيف كذا ذكر القسطلاني۔“ اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوں اور موطا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا۔“

(۶) علامہ زرقانی مالکی شرح موطا میں تحریر فرماتے ہیں: ”ومن ثم اختلف السلف في ذلك فقال مالك رحمه الله عليه اني ارى ذلك على قدر طاقة الناس فان منهم الثقيل الخفيف ولا يستطيعون ان يسكنوا اكرجل واحد وذهب الاكثر الى انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى تفرغ الامامة واذالم يكن في المسجد لم يقوموا حتى يروه۔“۔ ”نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چوں کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوجھل اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہو سکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جاسکتا) اور اکثر علمائے لکھنؤ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔“

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

- (۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔
- (۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتدائے اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہو جانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اوپر گزرے اور پانچواں قول امام الائمہ، مالک الائمہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہندو پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آئندہ مفصل و مدلل آتا ہے۔ لیکن شرح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے صفوں کو برابر کریں اور جب لا الہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدة القاری وفتح الباری شروع بخاری میں ہے: ”واللفظ للاول وعن سعید بن المسیب وعمر بن عبدالعزیز“ انه اذا قال المؤذن الله اكبر وجب القيام واذ قال حي على الصلوة اعتدلت الصفوف، واذ قال لا اله الا الله كبر الامام۔

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقلد ہوں اور نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔ اس لئے اسکی حیثیت محض ایک ذاتی رائے کی ہے تو ائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑ نا صرف اپنی بات کی بیج ہوگی۔ اسی وجہ سے علامہ عینی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے: ”وذهب عامة العلماء الى انه يكبر حتى يفرغ المؤذن من الاقامة“۔ ”اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اللہ اکبر نہ کہے“۔

آخر مضمون کی تائید و توثیق، تصدیق و توثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔ اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الائمہ، مالک الازمہ، امام اعظم، امام اقدم، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقال ابو حنیفہ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حي على الصلوة“۔ ”امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لو صف میں کھڑے ہو جائیں“۔ اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن ”حی علی الفلاح“ کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”عن ابی حنیفہ یقومون اذا قال حي على الفلاح“۔ ”امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں“۔

بعض علما نے قول اول کو رائج بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دو قول متعارض و متخالف نہیں ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ حی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علی الفلاح کی ابتدا کے وقت کھڑے ہوں۔ تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”ولا تعارض عندی بین قول الوقایۃ واتباعہا یقومون عند حی علی الصلوٰۃ والمحیط والمضمرات ومن معہما عند حی علی الفلاح فانما اذا حملنا الاول علی الانتہاء والاخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتِم المؤذن ”حی علی الصلوٰۃ“ ویاتی حی علی الفلاح“۔ ”میرے نزدیک وقایہ اور ان کے متبعین کے قول ”یقومون عند حی علی الصلوٰۃ“۔ ”حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عند حی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔ یعنی جب حی علی الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں۔“

آگے فرماتے ہیں: ”هذا ما يعطيه قول المضمرات يقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح“۔ ”یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے۔“

(۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے: ”قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ“۔ ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں۔“

(۵) قسطلانی میں ہے: ”وعن ابی حنیفہ انه یقوم فی الصف عند حی علی الصلوٰۃ“۔ ”امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہوا۔“

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے: ”وعن ابی حنیفۃ یقومون اذا قال حی علی الفلاح“۔ ”امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔“

(۷) بدائع الصنائع میں ہے: ”والجملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان معہم

فی المسجد يستحب للقوم ان يقوموا فی الصف۔۔۔ اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الفلاح کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں۔۔۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے: ”والقیام لامام وموتم حین قبل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب۔۔۔ اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے۔۔۔“

(۹) رد المحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”قوله حین قبل حی علی الفلاح کذا فی (۱۰) الكنز و (۱۱) نور الایضاح و (۱۲) الاصلاح و (۱۳) الظہیریۃ و (۱۴) البدائع وغیرہا و انذی فی الدرر متنو (۱۵) شرحا عند الہیعلۃ الاولیٰ حین یقال حی علی الصلوٰۃ۔۔۔ و عزاء الشیخ اسماعیل فی شرحہ البی (۱۶) عیون المذاهب و (۱۷) الفیض و (۱۸) والوقایۃ و (۱۹) النقایۃ و (۲۰) الحاوی و (۲۱) المختارۃ قلت واعتمدہ فی (۲۲) الملتقی وحکم الاول بقیل لکن نقل (۲۳) ابن الکمال تصحیح الاول ونص عبارتہ قال فی (۲۴) الذخیرۃ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثہ۔۔۔“ ماتن کا یہ قول کہ امام ومقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریۃ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام ومقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاهب، فیض، وقایۃ، نقایۃ حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر مترن ملتقی میں اعتماد کیا اور اول کو قبل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام، امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے: ”ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً بقرب المحراب (حین قبل) ای وقت قول المعقیم (حی علی الفلاح) لانه امر به فیجاب۔۔۔“ آداب و مستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے۔۔۔“

فتاویٰ

قدس

لئے

وقت

علی

الانتہ

ویاۃ

الصل

الفلاح

یعنی جب

دونوں

الفلاح

اذا قال

سب لوگ

سے مرد

الفلاح

(۲۶) طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے: ”واذا اخذ المؤذن في الاقامة ودخل رجل في المسجد فانه يتعدو لا ينتظر قائماً فانه مكروه كما في (۲۷) المضممرات (۲۸) قہستانی، ویفہم منہ کبرہ القیامہ ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون“۔ ”جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضممرات میں ہے۔ قہستانی اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں“۔ یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر بھی محض رسم و رواج کی وجہ سے ابتدائی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲۹) ایضاً میں ہے: ”يقوم الامام والقوم عند حي علي الفلاح“۔ ”امام اور مقتدی جی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں“۔

(۳۰) تبیین الحقائق میں ہے: ”قوله والقيام حين قبل حي علي الفلاح لانه امر به فيستحب المسارعة اليه“۔ ”مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر جی علی الفلاح کہے۔ اس لئے کہ مکبر نے اس کا حکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے“۔

(۳۱) فتح اللہ المعین حاشیہ شرح کنز ملاسکین میں ہے: ”(قوله والقيام حين قبل حي علي الفلاح) مسارعة لامثال الامر هذا اذا كان الامام يقرب المحراب“۔ ”جبکہ مؤذن جی علی الفلاح یہ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، امثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

(۳۲) بحر الرائق میں ہے: ”لانه امر به فيستحب المسارعة اليه اطلقه فشمل الامام والماموم ان كان الامام يقرب المحراب“۔ ”جب مکبر جی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

(۳۳) علامہ شرنبلالی حاشیہ درر الحکام شرح غرر الاحکام میں فرماتے ہیں: ”(قوله والقيام عند الحيعة الاولى) اطلقه فشمل الامام والماموم“۔ ”جب مؤذن جی علی الصلوة کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام و مقتدی دونوں کو شامل ہے“۔

(۳۳) مجمع الأنهر میں ہے: "واذا قال المؤذن في الإقامة حي على الصلوة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلاثة"۔ "جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علی الصلوة کہے، اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے۔"

(۳۵) محیط و (۳۶) ہندیہ میں ہے: "يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح"۔ "کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب مؤذن حی علی الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے۔"

(۳۷) جامع الرموز میں ہے: "يقوم الامام والقوم عند حي على الصلوة اي قبيله لكن في (۳۸) الاختيار اذا قال حي على الصلوة وفي (۳۹) الاصل وغيره: "الاحب ان يقوموا في الصف"۔ "اور امام و مقتدی حی علی الصلوة کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علی الصلوة کہے اور اصل وغیرہ میں ہے: محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الصلوة کہے۔"

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: "دخل المسجد وهو يقيم يقعد ولا يقف قائماً"۔ "کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو۔"

اس عبارت اور طحاوی حاشیہ مرقی الفلاح کی عبارت سے (جونمبر ۲۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے، اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہو سکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شمسی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) وجیز امام کروری سے اور وہ (۴۳) مبتغی سے نقل کرتے ہیں: "قوله في المتن والقيام اي قيام الامام والقوم قال في الوحيز والمسن ان يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح اه ومثله في المبتغى"۔ "متن میں جو والقیام فرمایا اس کے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔ وجیز میں میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے ایسا ہی مبتغی میں ہے۔"

(۳۴) الدرر المبینی شرح المستعنی میں ہے: ”اذا قال المقيم حي على الصلوة سيجي ما فيه قام الامام ان كان بقرب المحراب والجماعة مسارعة لامره“۔ ”جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں“۔

(۳۵) عینی شرح کنز میں ہے: ”والخامس القيام اي قيام الامام والقوم حين قيل اي حين يقول المؤذن حي على الفلاح“۔ ”مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے“۔

(۳۶) شرح الیاس میں ہے: ”يقوم الامام والقوم للصلوة اذا قال المؤذن حي على الفلاح“۔ ”امام و مقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے“۔

(۳۷) مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: ”قال ائمتنا ويقوم الامام والقوم عند حي على الصلوة“۔ ”ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں“۔

(۳۸) مبسوط امام سرخسی میں ہے: ”فان كان الامام مع القوم في المسجد فاني احب الهم ان يفهموا في الصف اذا قال المؤذن حي على الفلاح“۔ ”پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے“۔

(۳۹) موطا امام محمد باب تسوية الصف میں ہے: ”قال محمد ينبغي للقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ان يقوموا الى الصلوة فيصفوا ويسووا الصفوف ويحاذوا بين المناكب فاذا اقام المؤذن الصلوة كبر الامام وهو قول ابی حنيفة“۔ ”امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں۔ مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے ہوں اور مؤذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے“۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویہ صفوف کا بے معنی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرمادیا اور بتا دیا کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں۔ آخر مغرب، عشاء، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہوتی

ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (صفیں) اسی لئے بچھائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھتے جائیں تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جاء نماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں کہ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اس حیلے سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علمائے سنت بھی فرمایا ہے کما مر عن الوجیز، اس کو ترک کر کے مرکب کراہت کے ہوں۔ ولو فرضنا صفیں درست نہیں ہوتیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کر لیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ”وہو قول ابو حنیفہ“ اسی طرح صاف اور صریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

”قال احبرنا ابو حنیفہ قال حدثنا طلحة بن مطرف عن ابراهيم اذا قال المودد حی علی الفلاح ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا اقال محمد وبہ نأخذ وهو قول ابی حنیفہ“۔ ”امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مودن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔“

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں یثقی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ یثقی متاخرین کے محاورہ و عرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متقدمین کے محاورہ و عرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

روا المختار، حواشی اشباہ و نسیب شرح وقایہ میں ہے: ”لفظ ینبغی فی عرف المتناحرین غلب استعمالہ فی المندوبات و اما فی عرف القدماء فاستعمالہ فی عام حتی یشمل الواجب ایضا“۔ ”(متاخرین کے عرف میں لفظ یثقی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن متقدمین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے ۱۲م)۔“

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہو گیا کہ جس وقت امام مسجد میں مخراب کے فریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام و مقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کر دے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اس وقت امام و مقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضون مع ایاز قدر خود شناس، دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم و رواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان و پاکستان یا سارے جہاں سے جہاں سے ہو سکے، مستند علمائے دین کے فتاویٰ منگا لے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کر سکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا ”بہ ناخذ و هو قول ابی حنیفہ“ پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مر عنہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مر عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

”ونص عبارته هكذا“ و ابو یوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ الموزن من الإقامة كان يقوم في المحراب“۔ ”امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موزن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے“۔

(۳) بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو ترجیح ہے۔ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔ اگر اس دور آزادی میں کہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے جو چاہے خیال رکھے۔ لیکن یہ تو ”مدعی ست گواہ چست“ کی مثل ہے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ کما مر عن عون المعبود وفتح الباری قال مالک فی المؤطا: لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوة بعد محدود۔ ”امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز میں لوگ کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی“۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں: ”الا انسی اری دالت علی طاقة الناس“۔ ”لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر ہے“۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ مالکیہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو لے، لوگ کھڑے نہ ہوں اور عام علمائے مالکیہ امام مالک سے ایک روایت کے مطابق ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کو مستحب جانتے ہیں۔ لیکن اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ”عن“ کر کے مذہب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے قال یا مذہب فلان یا عند فلان کے الفاظ لاتے ہیں اور اگر کوئی ایک روایت ہو تو اس کو عن سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”الفرق بین ’عندہ‘ وعنه ان الاول دال علی المذهب والثانی علی الروایۃ۔ فاذا قالوا ’هذا عندا بی حنیفة‘ دل ذلك علی انه مذهبہ و اذا قالوا ’وعنه کذا‘ دل علی انه روایۃ عنه۔“ ”عندہ“ اور عنه میں فرق یہ ہے کہ عندہ مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عنه ایک روایت پر تو جس وقت علما کہیں ”هذا عن ابی حنیفة“ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور جب کہیں ”وعنه کذا“ تو معلوم ہوگا کہ ان سے یہ ایک روایت ہے“۔

تو ایسی حالت میں اولاً یہ خیال کرنا کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور امام علما کے مسلک کو

ترجیح ہے، محض غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

ثالثاً اس کو از روئے حدیث شریف مرنج ماننا بھی غلط۔

رابعاً ایسا کہنا ”مدعی ست گوہ چست“ کا مصداق بننا ہے۔

خامساً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالجہد ہونے کا اشعار ہے۔ اگرچہ امام مالک فرماتے ہیں مجھے اس

بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے رو سے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ”لا تقوموا حتی ترونی“ سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے

ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کی

مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی

امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی برا اجتہاد ہی اجتہاد اور ائمہ مجتہدین فقہاء و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا

اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم و چہارم

میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

یعنی شرح بخاری میں ہے: ”قال ابو حنیفہ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوۃ

فاذا قال قد قامت الصلوۃ کبر الامام لانه امین الشرع وقد اخبر بقیامہا فیجب تصدیقہ واذالم یکن

الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انہم لا یقومون حتی یروہ“۔ ”امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ

سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوۃ کہے اور جب قد قامت الصلوۃ کہے تو امام تکبیر تحریر

کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد

میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں“۔

اسی کو بدائع میں فرمایا: ”والحمله فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معہم فی

المسجد یتحب للقوم ان یقوموا فی الصف“۔ ”اور خلاصہ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن ”حی علی

الفلاح“ کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں“۔

تویر الابصار وغیرہ کی عبارت اوپر گزری: ”والقیام لامام ومؤتم حين قيل حي على الفلاح ان كان امام يغرب المحراب“۔ ”مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ”حی علی الفلاح“ کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

عن المعبود فتح الباری میں ہے: ”وذهب الاكثرون الى انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقيموا حتى تفرغ الاقامة“۔ ”اکثر علماء اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔

لله انصاف! کیسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ”اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں، تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

سابعاً امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے ہو جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی محرک اور ثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

ثامناً یہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ”انما منعهم عن القيام كيلا يلغو قوله حي على الفلاح لان من وجدته المبادرة الى شيء فذعائه اليه بعد تحصيله اياه لغو من الكلام“۔ ”ہم حی علی الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت و مسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شئی کی طرف بلانا ایک لغو کلام ہے“۔

مکرم حی علی الصلوة، حی علی الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلاتا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح و بہبود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچانا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ”عن ابی هريرة ان الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم فی اخذ الناس مصافہم قبل ان يقوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ“ سے بالکل عیاں مانتا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں: ”و قولہ فی روایۃ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی اخذ الناس مصافہم قبل خروجه لعلہ کان مرۃ او مرتین و نحو ہما لیسوا السحوا و اولعذر و لعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلک“۔ ”حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ صفتوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابو قتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا بھی کوئی کر لے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرمادیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں ”یاخذ الناس مصافہم“ ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث ”فیقوم الناس مصافہم“ تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جاسکے اور بالکل عیاں کہا جاسکے۔

عاشرا یہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون ”ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا“ کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح دھوکہ ہے۔ یہ تو ابن شہاب زہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند لانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم و اقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے

جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیان مذہب امام احمد میں نووی، عینی، فتح الباری سے گزرا: ”وكان انس رضي الله عنه يقوم اذا قُال المؤذن قد قامت الصلوة وبه قال احمد“۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں۔“

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینہم، قوت و شوکت اسلام خلیفہ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط النظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مبسوط میں ضمنی دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ”وابو يوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم المحراب“۔ ”امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔“

غرض کتب حدیث و شروح حدیث و کتب متون و شروح و حواشی و فتاویٰ فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔ واللہ الہادی و هو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکنا چاہئے یا گھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ۔؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر گھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنے اٹھاتے ہیں ازاں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جانبین دابنے بائیں مقتدی ان کا بائیں یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ پس ہم گزارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا ملانا ثابت ہے یا پیر سے پیر؟ اور نماز میں دابنے پیر کا انگوٹھا بل جانا وغیرہ۔ حرکات محررہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الـجـواب

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہ ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برعکس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہ ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الانسیراج الامۃ میں ہے: "ابو حنیفہ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتيه قبل يديه واذا قام يرفع يديه قبل ركبتيه۔"

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھا لیتے۔" اخراجہ الطحاوی والاربعة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن خزيمة وابن حبان۔

اصلاح ومنیہ وکنز الدقائق میں ہے: "ويسجد فيضع ركبتيه أولا ثم يديه ثم وجهه بين كفيه ويديه حذاء اذنيه ويرفع راسه أولا ثم يديه ثم ركبتيه هكذا في الصغرى والغنية شرح المنية وتبيين الحقائق۔" پھر ہندیہ میں ہے: "قالوا اذا اراد السجود يضع أولا ما كان اقرب الى الارض فيضع ركبتيه أولا ثم يديه ثم انفه ثم جبهته واذا اراد الرفع يرفع أولا جبهته ثم انفه ثم يديه ثم ركبتيه هكذا في الطحاوی والدر المختار وغيرهما من معتمدات الاسفار۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سجد احدكم فليبدء بركبتيه ولا ببرك برك الفحل۔" "تم میں کوئی شخص سجدہ کرے تو چاہے کہ پہلے گھٹنے کو رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے۔"

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے پھر پاؤں؟ فرمایا: "او يصنع ذلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوا بے وقوف اور پاگل کے۔"

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگل ہونا چاہئے۔ خلاصہ میں ہے: "وينبغي ان يكون بين قدميه قدر اربع اصابع في قيامه۔ هكذا في مراقي الفلاح۔"

نماز میں حکم موٹڑھے ملانے کا ہے نہ پاؤں ملانے کا۔ سجدہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفسد نماز ہے:

غیۃ پھر عالمگیری میں ہے: ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لا يجوز۔"

ہدایہ میں فرمایا: "واما وضع القدمين فقد ذكر القدوري انه فريضة في السجود كذا في مجمع

الانهر معزيا الى التبيين واختاره الفقيه ابو الليث وصححه في العيون كما في البحر۔"

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفكم وقاربوا بينهم ماحاذوا بالاعناق۔ "گھٹنی کرو اپنی صفوں کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفوں نزدیک نزدیک باندھو کہ دو صفوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گردنوں کو۔"

ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”رصوا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل۔“

محض انگوٹھا بل جانا یا انگلیوں کو حرکت دینا مفسد نماز نہیں، مکروہ ہے۔

فتاویٰ امجدیہ سیدنا اسعد الدین الحسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: ”(سوال) رجل هو في الصلوة يصلي ويرفع إحدى رجليه وتارة يرفع أصابع رجليه هل يجوز الاقتداء به أم لا أفئونا؟ (جواب) إذا رفع رجله ثلث مرات متتابعات تفسد صلاته وصلاة القوم والأفلا وأما حركة الأصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد به الصلوة وأما الكراهة فظاهرة والحالة هذه اه۔“ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وقد فصله محدث المائة الحاضرة في ”النهي الاكيد عن الصلوة وراء عدی التقليد۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مرسلہ فخر الدین محصل مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگل بلند ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور دلیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دلیز کا حکم مخراب کا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشاہیة الیہود فانہم یجعلون لامامہم دکانا والاصح ان لا تقدیر بل کلمما یقع بہ الامتیاز بکرہ کما فی الدر۔
اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضی اللہ عنہ انی اکبرہ للامام ان یقوم بین الساریتین کما فی المعراج۔
اور اگر محن میں کھڑا ہو کر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ۔

محن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا کٹڑہ محن سے ہموار کریں۔ امام محن میں کھڑا ہو کر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دلیز میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام اکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”ثم قدر الارتفاع قامة لا باس بما دونها ذکرہ الطحاوی وقیل انه مقدر بما یقع بہ الامتیاز وقیل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد

کذا فی التبيين وفي غاية البيان هو الصحيح كذا في البحر الرائق انتهى۔“
بلندی کا اندازہ قد ہے۔ اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔ امام طحاوی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو (اس قول کو مجیب نے نقل کیا)۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔ یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔ یہ تین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔
اسی میں اور در مختار میں ہے: ”اذا تعارض امامان معتبران غیر احدهما بالصحيح والآخر بالاصح فالأخذ بالصحيح أولى“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ لعبد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی عفا اللہ عنہ بجاہ نیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔ جو اس لئے الخ لکھا بھی، سود دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قائمہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل و خرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔
رد المحتار میں ہے: ”قوله وقيل ما يقع به الامتياز هو ظاهر الرواية كما في البدائع۔ اقول هكذا في الطحطاوي والبحر الرائق۔“

طحطاوی میں ہے: ”والرواية قد اختلفت في المقدار والاخذ بظاهر الرواية أولى۔“
بحر الرائق میں ہے: ”فالحاصل ان التصحيح قد اختلفت فالأولى العمل بظاهر الرواية واطلاق الحديث۔“

اسی میں ہے: ”الفتوى اذا اختلف كان الترجيح بظاهر الرواية۔“
بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا، اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ”اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن الظاهر الرواية والرجوع اليها بلکہ انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی فرماتے ہیں: ”المقلد لا يجوز له ان يحكم الا بما هو ظاهر الرواية۔“
شرح عقود بلکہ باوجود وضوح و شیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پرافقا جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔
بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه۔“

در مختار میں فرمایا: ”وان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل و خرق للاجماع فثبت ان الحكم والفتيا على ما خرج عن ظاهر الرواية جهل و خرق للاجماع ولكن الوهابية قوم لا يعقلون۔“
ثانیاً یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو۔ اور احادیث ابی داؤد و حاکم

واین جان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”لا ینبغی ان یعدل عن الدراية ای الدلیل اذا وافقتها رواية اه۔“
ثالثاً تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: ”یکره ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معه۔“ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”اختلف التصحیح و الفتویٰ کما رأیت و العمل بما وافق اطلاق المتون الخ اه۔“ بلکہ بہت علما نے خلاف اطلاق بعض ترجیحات و افاقا کو بھی نہ مانا۔

رد المحتار باب فی البیر میں ہے: ”مخالف لا اطلاق المتون قاطبة فلا یعتبر به وان التی به ایضا کذا فی المحيط هو الصحیح و اخره البحر و المنح و تبعه التنویر و الدر لکن لا یعول علیہ لاختلاف اطلاق المتون الخ۔“

رابعاً بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کما فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاہر الروایۃ فهو مرجوع عنہ وان المرجوع عنہ لیس قولاً لہ۔

پھر باوجود ایماء خفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف دیانت و عقل ہے۔ کما صرح فی التوضیح ان ما رجع عنہ المجتہد لا یجوز الاخذ به۔

خامساً آپ کا فرمانا اذا تعارض امامان الخ۔ محرم صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے: ”وقال شیخنا الرملی فی فتاویٰہ و بعض اللفظ اکد من بعض (الی ان

قال) و الاصح اکد من الصحیح۔“

رد المحتار میں ہے: ”قوله اکد من بعض ای اقویٰ فتقدم علی غیرہا۔“ یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ خیر لفتح البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔“

شرح عقود میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: ”و کذا لو صرح فی احدهما بالاصح و فی

الاحری بالصحیح فان الاولی اکد من الصحیح اه قد بینا معنی الاکد من الطحاوی۔“

سادساً ذرا یہ توارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجہ فرمایا، فافہم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں

اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجتماع کی راہ لی و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ اعتقادات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب و عجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل و قال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مارو شن دل ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جسے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بنتا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی خفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجبر کہنا چاہئے یا بالاختیار؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے اوسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن، پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض امامان، در المختار، حررہ العبد محمد ابراہیم سنی حنفی جشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملة جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عفی عنہ محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تعمیر اولیٰ کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کر دی تو اس شخص کو بجان (شنا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ بیٹوا و تو جروا۔

الـجواب

صلوۃ جہریہ میں جب امام نے قراءت شروع کر دی تو مقتدی ثنائہ پڑھے بلکہ چپکا سنے۔ لان الاشتغال بہ یفوت علیہ الاستماع والانصات و کلاهما فرض و الثنا سنة فترك السنة هو المتعين دون ترك الفرض۔ منیہ میں ہے: ”اذا ادرك الامام وهو يحمر يستمع وينصت“ جب امام کو قراءت جہریہ کرتا ہوا پالے تو چپکا سنتا رہے۔

نغیۃ میں ہے: ”لا یسانی بہ مطلقا لا طلاق النص“ یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پالے تو مطلقا ثنائہ پڑھے بوجہ مطلق ہونے نص کے۔ ”و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا“ (الاعراف: ۲۰۴) ”اور جب قرآن پڑھا

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو“ (کنز الایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین حلوانی سے ہے: ”لا یاتی بالثناء فیما اذا ادركه فی حالة القيام فی الركعة الاولى“ ”ثناء پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے“۔

ترجمہ مفتیین میں ہے: ”المسبوق اذا ادرك الامام فی القراءة التي يحجر بها لا یاتی بالثناء وقد مر“۔
فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”اذا ادرك الامام فی القراءة فی الركعة التي يحجر بها لا یاتی بالثناء كذا فی التبيين هو الصحيح كذا فی التحنيس وهو الاصح هكذا فی الوجيز للكردري“۔ ”والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبد الحکیم صاحب مقام اکملہ رسول پور میرٹھ ۱۲ رجب الثانی ۱۳۲۳ھ

چچی فرما ید علمائے دین دریں شکوک لاحقہ ومسائل مسئلہ ادامہم اللہ تعالیٰ فی اقام الدین و البشیرۃ غیر مقلدین وہابیہ سفر و حضر میں مدام نماز دو دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پڑھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں و علیٰ ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور پیغمبر خدا نے عذرا یا بلا عذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

الـجـواب

ظہر بن عرفہ وعشاء بن مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصد ایک وقت میں جمع کرنا سفر و حضر ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت سیدنا ام المومنین صدیقہ بنت الصديق رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز و امام سالم بن عبداللہ بن عمرو و علقمہ بن قیس و اسود بن یزید و حسن بصری و ابن سیرین و ابراہیم نخعی و امام کچول و جابر بن زید و عمرو بن دینار و حماد بن ابی سلمیٰ و امام اجل سراج الملتہ والدین امامنا الاعظم ابوحنیفہ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف و امام ابو عبداللہ محمد شیبانی و امام زفر و امام حسن بن زیاد و غیر ہم تبع تابعین و ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر دو بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع و ناکارہ رہ جائے گی۔ جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز، پہروں چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء بنانا لینے سے بھی نہ ہونا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع منقول، اس میں صراحتہ جمع صوری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخر وقت، عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت

میں ہوئیں اور فعلاً و صورۃً مل گئیں تو ایسا ملا تا بعد مرض و ضرورت سفر بلاشبہ جائز ہے۔ (مذکور یا مجمل و محتمل جو اسی صورت مفصل پر محمول۔ بالجملہ جمع بین الصلواتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری و معنوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلاً بلافصل یکپلے وقت کی نماز عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت و اختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔ یکپلے صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورتاً جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو، یہ بلاشبہ جائز ہے اور اب بھی مرض و سفر میں اس کی اجازت ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”للمسافر والمريض تأخير المغرب للجمع بينهما وبين العشاء فعلاً كما في الحلية وغيرها ان تصلي في آخر وقتها والعشاء في أول وقتها اهـ وهكذا تأخير الظهر إلى العصر بل هو أولى كما صرح به في البحر الرائق۔“

کتاب الحج میں ہے: ”قال ابو حنیفة رحمه الله تعالى الجمع بين الصلاتين في السفر في الظهر في العصر والمغرب والعشاء سواء يؤخر الظهر إلى آخر وقتها ثم يصلي ويعجل العصر في أول وقتها فيصلی في أول وقتها وكذلك المغرب والعشاء ويؤخر المغرب إلى آخر وقتها فيصلی قبل ان يغيب الشمس وذلك آخر وقتها ويصلی العشاء في أول وقتها حين تغيب الشمس فهذا الجمع بينهما۔“ وقد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة محدد المائة الحاضرة في كتاب مستقل سماها ”حاجز البحرين الواقی عن الجمع بین الصلواتین“ فمن اراد الاطلاع علی ما فیها من الفوائد فليطالعها والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع کھڑی یا ضلع پہلی بحیث مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی دائیں بائیں صف کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟۔ بینوا تو جردا۔ رقمہ فضل حسین زمیندار۔

الـجـواب

صورت مسئلہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہۃ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے: ”و کذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراہۃ التحريم تحب اعادتها۔ اسی میں ہے: (

و الزوائد) یصف (خلفہ) فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما او اكثر وصرح به الهداية والكافي والهداية والتبيين والفتح ومجمع الانهر والمستخلص وابو السعود "جنتی نمازیں اس طرح پڑھی ہیں، سب دہرائی جائیں اور اس کے بدلے چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ والمسئلة فی الدر المختار ورد المختار وغيرهما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ حافظ نبی بخش سرانے خادم بریلی ۷ ربیع الثانی از تلمیذ ضلع شاہجہان پور ۱۳۲۳ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔ صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔
ملتقى البحر میں ہے: "وافقتاء المقيم به (ای المسافر) صحيح فيهما ويقصر هو ويتم المقيم بلا قراءه في الاصح۔" مقيم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔ مسافر قصر کرے اور مقيم بلا قراءت اپنی نماز تمام کرے۔

تنوير الابصار میں ہے: "وصح اقتداء المقيم بمسافر في الوقت وبعده فاذا قام (المقيم) الى الاتمام لا يقرء في الاصح۔"

تفسير شرح منية میں ہے: "ولو اقتدى المقيم بالمسافر صح سواء كان في الوقت او خارجه لعدم المانع فاذا صلى المسافر ركعتين مسلم ويقوم المقيم فيتم صلاته بغير قراءة في الاصح وقيل يتم بقراءة لانه منفرد۔"
فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "وان صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلم واتم المقيمون صلاتهم كذا في الهداية وصاروا منفردين المسبوق الا انهم لا يقرؤون في الاصح فكذا في الصغيرى والتبيين والبحر وملا مسكين۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التحیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔ یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قراءت بقدر فاتحہ محض سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کر کے دو رکعتیں مع قراءت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحنک اللہم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت بلا قراء

ت ادا کی پھر دو بسکوت تو مذہب مفتی بہ پر نماز ہو جائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔

درمختار میں ہے: ”اللاحق من فائتہ الركعات کلہا او بعضها لکن بعد اقتدائہ کمقیم اثم بمسافر وحکمہ کمؤتم فلا یاتی بقراءة ولا سہو ویبدء بقضاء ما فاتہ عکس المسبوق ثم ما سبق بہ بها ان کان مسبوقا ایضا ولو عکس صح واثم لترك الترتیب۔“

ردالمحتار میں ہے: ”قولہ ما سبق بہ بها ثم صلی اللاحق ما سبق بہ بقراءة ان کان مسبوقا ایضا بان اقتدی فی اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بیان للقسم الرابع وهذا المسبوق اللاحق وحکمہ ان یصلی اذا استیقظ مثلاً ما نام فیہ ثم یقضی ما فاتہ فلو عکس بان یتبدء بما سبق بما نام صح واثم اه ملتقطاً“ (الدر المختار ملخصاً علی هامش رد المحتار ج ص ۵۹۴ الی ۵۹۶) واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھپور متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بہرا ہے اور کریمہ الصوت اور دوسرا شخص بہرا نہیں یعنی جو اس خمسہ اس کے صحیح ہیں اور نہ کریمہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت و تجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی اعلم ہونے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرجع و لائق امامت کون ہو سکتا ہے؟
بینوا بالبراہین والکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی احق بالامامت ہے۔

ہندیہ میں ہے: کل من کان اکمل فهو افضل لان المقصود کثرة الجماعة ورتبة الناس فیہ اکثر هكذا فی التبيين۔ بالجملة غرض شارع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کریمہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرے تو بہرے کو سننا مشکل ہوگا مگر دوسرا مورامہ مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، کما اشار الیہ المحیب سلمہ اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع..... ذاکخانہ کرتھا، ضلع گیا۔ ۲۱ رثوال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل بہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی المذہب قول مفتی بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولد الحرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نماز اس کے پیچھے جائز یا ناجائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

(۲) صحیح السننوں میں ولد الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فرائض، واجبات وغیرہ بلا مقصدات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دو قسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضا مند اور بعض ناخوش و بے زار۔ ان میں سے کبھی طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزاری قوم؟

(۴) حدیث ابو داؤد "وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَمْ يَكْمُلُوا" کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ کل تو اربع حدیث، اصول جانچ و پرتال حدیث سے جس میں در آمد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدارج حدیث قوی و ضعیف عمل در آمد علمائے حنفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، روایت و رجال حدیث کے کل ثقہ و محفوظ ہیں یا بعض مجروح و مخدوش؟ یہ حدیث تہدید آیا حکماً امام کے حق میں ہے یا اور کے؟ اور "مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا" سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور "کما یرون" سے کیا مطلب؟ کسی چیز سے ناخوشی و کراہت؟

الجواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہ بہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: "صَلُّوا اخْلُفْ كُلَّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ"۔

در مختار میں ہے: "و یکرہ تنزیہاً امامۃ عبد (الی ان قال) و ولد الزنا"۔

منہ الخالق حاشیہ بحر الرائق ثانی میں ہے: "قال الرملى: ذکر الحلبي في شرح منية المصلي ان كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم واما العبد الاعرابي وولد الزنا والاعمى فالكراهة فيهم دون الكراهة فيهما"۔

ہدایہ میں ہے: "و یکرہ تقديم العبد (الی ان قال) و ولد الزنا وان تقدموا جازاه مختصراً"۔

مراقی الفلاح شرح نور الايضاح میں ہے: "و کرہ امامۃ العبد والاعمى والاعرابي و ولد الزنا

الجاهل فقط"۔

(۲) ولد الحرام جو افقہ ہو، اگر وہ مختار میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی بے

علمی عادی یا علی اختلاف الاقوال نفرت حضار کی وجہ سے ہے۔

مراقی الفلاح میں بعد عبارت مسطورہ لکھا: "الذي لاعلم عنده ولا تقوى فلذا قيده مع ما قبله

بقوله: "الجاهل" اذ لو كان عالماً تقياً لا تکرہ امامته لان الكراهة للنقائص"۔

حاشیہ طحاویہ میں ہے: "فلو كان عنده علم لا كراهة"۔

بحر الرائق میں ہے: ”وولد الزنا اذا كان افضل القوم فلا كراهة اذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم الكراهة“ فقط۔

(۳) نماز امام و ہر دو قسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔ البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالامامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالامامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے: ولو ام قوما وهم كارهون ان الكراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه كره له ذلك تحريماً لحديث ابی داؤد: ”لا يقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون“، وان هو احق لا والكراهة عليهم۔

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیر کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ”فلانه لا تجاوز صلاتهم اذانهم العبد الا بق حتى يرجع وامرأة بابت وزوجها عليها ماحط و امام قوم وهم له كارهون“۔ امام ترمذی نے فرمایا: ”حسن غریب“۔ نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا: ”انما رجل ام قوماً وهم له كارهون لم تجز صلاته“۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ”من ام قوماً وهم له كارهون فان صلاته لا تتجاوز ترقوته“۔

نیز جمع الجوامع پھر کنز العمال میں بروایت ابو عبیدہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ”انه اتاه قوم برجل قالوا ان هذا يؤمننا ونحن له كارهون فقال له لخروط۔ ائتوهم قوماً وهم لك كارهون“۔

نیز اس حدیث کو بیہقی و عراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنی روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابوداؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبر نقصان ہو کر لا اقل حسن ٹھہرے گی۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم نفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصوصیت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے، کما مر عن الدر المختار۔

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: ”وہم لہ کارہون لمعنی مذموم عنہ شرعاً لان الامامة شفاعت ولا يستشفع العبد الا من يحبه“۔ ”تقدم قوما“ سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجراتوالا امرسلہ محمد حیدر صاحب کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده۔ اما بعد

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

جناب کے پاس ایک استفتا بہ نشان ذیل آیا ہوگا: ”ضلع گجراتوالا تحصیل وزیر آباد موضع پہرو کی ملک پنجاب“۔ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو یہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آمین بالجہر کرتا ہے ورفیع یدین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشابہ دال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصاً لوجہ اللہ ونصحاً لخلق اللہ ٹھیک ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استفتا نہیں آیا ہو تو براہ مہربانی اس کارڈ پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشابہ دال نہ پڑھے اور رفیع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جزا کم اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا نذیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتویٰ ہوا اور میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اطلاعاً گزارش کر دی ہے۔

العاجز المدعو محمد حیدر علی غفری عنہ۔

الجاب

الحمد لاهله والصلوة على اهلها فالسلام على من اتبع الهدى۔ ایک استفتا ضلع گجراتوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرت کار و مشاغل افکار اس وقت تک معروض تعویق میں رہا۔ آمین بالجہر ورفیع یدین منکر تقلید سے ضرور آیت بد مذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید و دیگر عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امامت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز و گناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی ہوئی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرء صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام

بلکہ بہتیرے وجوہ سے نماز محض باطل کما حققه حضرة مجدد المائة الحاضرة في الرسالة المباركة ”النهي الاكيد عن الصلوة وراء عدى التقليد“۔ نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ ”الحجاء الصاد عن سنن الضاد“ میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آئیے۔ اور باوجود انکار تقلید شافعی کی آڑ

تجر النبی غایۃ البوار ونہایۃ الخسار - واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہرِ مرسلہ ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت و جماعت سے ہے۔ اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدانِ قادیان سے قادیانی ہو گیا۔ حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ اعتقادِ فاسد ہو گیا اور اس کی زوجہ یعنی زید مذکور بالا کی دختر ہنوز دین اہلسنت پر قائم ہے۔ اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور بولنا ترک کر دیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔ اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت و نبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصاً عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی گالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً اجتماعاً سخت مرتد و سخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔ اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔ جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے، وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ جو شخص اس کا مرید ہو، اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ صحبت، زنا نہ محض ہوتی ہے۔ خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہو جائے۔ ہر طرح زنا نہ محض ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”(و منها ای من الوجوہ الاربعۃ) ما ہو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یحوز

لہ ان یتزوج امرء مسلمۃ ولا کتابیۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ۔“

پس ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہو جائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تنہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ ان احکام میں سے جس کی تعمیل نہ کرے گا، گناہگار ہوگا۔ پہلی دو صورتوں میں تو صریح فاسق، شدید مرتکب کبیرہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز منوع و گناہ اور صورت آخرہ میں کراہت سے خالی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَمَا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (الأنعام: ۶۸)“ اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (کنز الایمان) طہی اور صغیری اور کبیری میں ہے: ”وفیه اشارۃ الی ان انہم لو قدموا فاسقاً یا ثمناً علی ان کراہۃ تقلیدہ کراہۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ و تساہلہ فی الاتیان بلوازمہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔“

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہو سکا ۱۲ سائل)

بسم الله الرحمن الرحيم تحمده و تصلى على رسوله الكريم
(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد سنی حنفی موجود ہے۔ امام مؤذن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عالمگیری جلد اول ص ۲، فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص ۳۳ پر ہے: ”رجل بنی مسجدا وجعله لله تعالى فهو احق الناس بعمرته و عمارته و بسط البوارى و الحصر و القنادیل و الاذان و الاقامة و الامامة ان كان اهلا لذلك فان لم يكن فالرأى فى ذلك اليه“ (الاشباه و النظائر مع غمز العيون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام و المؤذن و ولد البانی و عشيرته اولیٰ من غیرهم

(۲) عام اہل محلہ سنی حنفی ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے کو، تو اکثر ہی کی رائے معتبر ہے۔ اگرچہ جسے بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں افضل ہو۔

عالمگیری جلد اول ص ۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء و اختار بعضهم غیره فالعبرة للاكثر كذا فى السراج الوهاج۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت جمعہ اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام و خطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلاً اس میں حق نہیں۔ اگر سو ان کے خطیب پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۲ و رد المحتار میں ہے: ”خطب بلا اذن الامام و الامام حاضر لم یجز۔“
فتاویٰ سراجیہ جلد اول ص ۲۹ میں ہے: ”لو صلى احد بغير اذن الامام لا تجوز الا اذا اقتضى به من له ولاية الجمعة۔“

(۴) غیر مقلدین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔
طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۵۳ میں ہے: ”من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة و النار۔“ اور مبتدع کی امامت مکروہ و ممنوع ہے۔

رد المحتار جلد اول ص ۵۸۵ پر ہے: ”المبتدع تكره امامته بكل حال۔“
طحطاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۲ پر ہے: ”الكراهة فيه تحريمية على ما سبق۔“
صغیری ص ۲۷۰ پر ہے: يكره تقديم الفاسق كراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه وهو رواية

عن احمد و كذا المبتدع۔

(۵) امام بنانا، تعظیم و توقیر ہے اور امر دین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔
مشکوٰۃ شریف مطبع مجبائی دہلی ص ۳۱ پر ہے: ”عن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه

وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔“ جس نے کسی مبتدع کی توفیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔“

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ و ممنوع۔ غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: ”لو قدموا فاسقا یا ثمونا۔“ اور بد مذہبی ہر فتنے سے بدتر فتنہ ہے۔

غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: ”یکبرہ تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل۔“

ابو السعوی حاشیہ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: ”علل الزیلعی الکراہۃ فی الفاسق بان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علینا اہانتہ شرعا فمفادہ کون الکراہۃ تحریمیۃ۔“

سنن ابن ماجہ ص ۷۲ پر ہے: ”عن جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا ایہا الناس (فذكر الحديث الى ان قال) ولا يؤم فاسق مؤمنا الا ان یقہرہ سلطان یخاف سیفہ وسوطہ۔“ ”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلوار اور تازیانے کا ڈر ہو۔“

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ محض ناجائز دباؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت ”کو کبہ شہابیہ“ میں ہے اور ایسے اہل بدعت کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص ۱۴۶ پر ہے: ”روی محمد عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف ان الصلوۃ خلف اہل الاہواء لا تجوز۔“

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵ پر ہے: ”لا تجوز خلف المبتدع۔“

فوائد الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ پر ہے: ”ان بدعتہم لما اشتدت الی ان وصلت قریبا الی الکفر اور ثبت شبهة فی ایمانہم فتستع من الاقتداء بہم وحکم بفساد صلاۃ من اقتدی بہم۔“

شرح فقہ اکبر ص ۱۸۷ پر ہے: ”خبر منہم ببطان الصلاۃ خلفہم احتیاطا“

(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح و ثابت ہو تو وہ کافر مستامن تھے، امان لے کر حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکنے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روکنا چاہا تھا۔

مواہب لدنیہ و شرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۴۷ پر ہے: ”(قاموا یصلون فیہ فاراد الناس منہم) لما فیہ من اظہار دینہم الباطل بحضرة المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفی مسجده

(مثال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعویٰ کہ وہم) تالیفاً لہم ورجاء اسلامہم ولدخولہم بامان فافرہم علیٰ کفرہم ومنع من تعرض لہم فلیس فیہ اقرار علی الباطل۔“

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ جن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متامن کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من کان لہ سعة ولم یضح فلا یقرین مصلاًنا۔“

انہیں نے کیا ہنس پیا زکھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بقیع تک نکلوا دیا۔

بخاری شریف مطبوع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: ”عن جابر بن عبد اللہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة یرید الثوم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة فلا یقرین ولا یضلیب معنا۔“

بخاری جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: ”عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فی غزوة خیبر من اکل من هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یاتین المساجد۔“

ایضاً ص ۲۰۱ پر ہے: ”ان عمر ابن الخطاب خطب یوم الجمعة فذکر انکم ایہا الناس تاکلون شجرتین لا اراہما الا حیثتین هذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحہما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الی البقیع۔“

کلمہ گو منافقین جمعہ کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکلوا دیئے گئے۔

عمدة القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۲۲۱ پر ہے: ”عن ابن عباس قال خطب رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانک منافق واخرج یا فلان فانک منافق۔“

غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و روافض و غیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ نا قوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت و امامت تو خاص بات ہے کہ آخر وہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔ اور قربانی نہ کرنے یا لہسن پیاز کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔ پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور ننگوا دیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔ اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجدیں بنائیں ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔

در مختار ہاشمی ص ۷۷ پر ہے: "لاہل المحلۃ منع من لبس منهم عن الصلوٰۃ فیہ۔"

سنیوں حنفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ مساوات حق، جس کی بنا پر مزاحمت کر سکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں حنفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔ اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔ اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہو سکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی حنفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے مسجد میں ہو سکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید قبضہ چاہنا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا و آزار رسانی اور صاف بدعتی پر مبنی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امامت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اماموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتنا، ضرورتاً حق ایذا و آزار رسانی ہے۔ اور بحکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔ اور حدیث وفقہ کا حکم ہے کہ ایذا رساں کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل من هذه الشجرة فلا یقر بن مسجدنا ولا یؤذینا بریح الثوم"۔ اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔

در مختار ص ۷۷ پر ہے: "یکرہ دخول اکل نحو ثوم ویمنع و کذا کل موز ولو بلسانہ۔"

الاشباہ مع غمز العیون ص ۳۸۱ پر ہے: "یکرہ لمن اکل ذاریح کریمہ ویمنع منہ و کذا کل موز فیہ ولو بلسانہ۔"

رد المحتار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: "قال الامام العینی فی شرحہ علی البخاری: غلۃ التھی اذی الصلۃ و اذی المسلمین ولا یختص بمسجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر وهو اصل فی نفی کل من یتاذی بہ اہ مختصراً۔"

(۱۴) مسجدیں اہل سنت حنفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔ اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

ہونا یقیناً ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذامی و مبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں۔

رد المحتار جلد اول ص ۲۹۲ پر ہے: "يلحق بما قص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا او غيره والقصاب والسماك والمجنون والابصر اولى بالالحاق وقال مسنون لا ارى الجمعة عليهما۔" (۱/۶۶۱ مطلب في الغرس في المسجد)

(۱۵) مسجدیں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کر سکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے، وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذہبی رو سے سخت آزار دہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذائیں کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعث اشتغال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے، وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتغال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو روکنا شرعاً و قانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت و خون کرنے جائے تو وہ ضرور شرعاً و قانوناً دخول مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو استحقاق دخول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عز وجل نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مساجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادہ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً و قانوناً اسے ان مساجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر وافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِبِينَ" (البقرة: ۱۱۴) "اس سے بڑھ کر ظالم

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی دیرانی میں کوشش کرے؟ انہیں روا نہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سرکاریں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بائیں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سرگرموں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتداء نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، محدود مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل و فاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں، فضول بے معنی حرکات کر رہے ہیں۔ ازاں جملہ غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روضۂ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہوا اور خون نے ناک سے نکل کر تمام داڑھی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غارہ ملا ہو بلکہ شراب کے مٹکے میں غوطہ کھا لیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور اشیائے مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد ۱ ص ۷۱ پر ہے: ”الخمير والدم والميتة نجاسة غليظة هكذا في فتاویٰ قاضی

خاں۔“ نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزایا گونہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بہیونہ مطبع فاروقی دہلی کے ص ۹۶ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤں بھر پانی میں دو چار ماشے اپنا کتے کا

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بوند نجاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد ۱ پر ہے: "فارة تفسخت في الحب ثم صب قطرة من ذلك الماء في البئر ينزع جميعا كذا في خزائن المفتين"۔

نیز اسی فتح المغیث کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر" لیکن ہمارے مذہب میں پگڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا "وَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ" (المائدہ: ۶) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلاف مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندھی اور بیچ میں ایک شخص بے نیت نماز حائل ہے۔ یہ قطعاً حرام ہے۔

سنن نسائی ص ۱۳۷ پر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔"

تو غیر مقلدین کا ہمیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انہیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحتہ ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انہیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹) قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، مبتدع بد دین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر طحاوی علی الدر المختار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اهل البدع شر الخلق والخلق" بد مذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوعہ مصر ہاشم جلد اول ص ۱۱۰ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع كلاب النار"، بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضاً کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہ کتے کو اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آنے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں بحکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرور ہمیں مذہبی نقصان پہنچاتا ہے، جو کسی طرح قرین انصاف نہیں۔

(۲۰) ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ"

وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ“ (التوبة: ۱۷-۱۸) ”شُرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کیا دھرا اِکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

تو غیر مقلدین حقیقہ ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعا کی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بدعتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہو سکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پونا پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحتہ فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدعتی و آزار رسانی کے کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد اسمٰنی دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

(۲۱) اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”وَأَنَا أَوْلَا بِكُمْ تَلَوْنِیْ هُدًی أَوْ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ“ (سبا: ۲۴) ”اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں“ (کنز الایمان) اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحت نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بد دین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقادات تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بد دین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہر حال! حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ ایسا حکم کہ شرع کا متفق علیہ ہے، اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا، کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللہ عزوجل و علا قرآن عظیم میں فرماتا ہے: ”وَمَا يُنۡسِیۡکَ الشَّیۡطٰنُ فَاَلَّا تَقۡعُدَ بَعۡدَ الذِّکۡرِیۡ مَعَ الْقَوۡمِ

الظَّالِمِينَ۔“ (الأنعام : ۶۸) ”اور جو تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھو۔“

تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: ”ان القوم الظالمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلہم معتنع۔“ ”یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔“

ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: ”ان حجرۃ اهل الهواء والبدع دائمة علی ممر الاوقات ما لم تظهر التوبة والرجوع الی الحق“ ”یعنی بد مذہبوں سے جدائی ہمیشہ ہے چاہے کتنا زمانہ گزرے، جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔“

کنز العمال ہامش مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: ”عن انس قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم“ اذا رأيتم صاحب بدعة فاكفوهوا في وجهته فان الله تعالى يبغض كل مبتدع۔“ ”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بد مذہب کو دیکھو اس کے ساتھ ترش روئی کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۹ پر ہے: ”محالۃ الاغیار تحجر الی غایۃ البوار ونہایۃ الحسار۔“ ”یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔“

شفا شریف امام قاضی عیاض مطبع صدیقی بریلی ص ۱۹ پر ہے: ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لن يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من نفسه“ ”ص ۲۰۰ پر ہے: ”فالصادق في محبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من تظهر علامات ذلك عليه۔“ ”ص ۲۰۱ پر ہے: ”ومنها مجانبة من خالف سنته وابتدع في دينه۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سچا وہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔“

شفا شریف میں ہے: ”ومنها بغض من ابغض الله ورسوله ومعاداة من عاداه ومجانبة من خالف سنته وابتدع في دينه۔“ (۲۲/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بوا سیری مسوں سے رطوبت ہر وقت

جاری رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح زید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ در صورت دیہات میں نہ ہونے کسی شخص خواندہ کے، زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بیوقوفو جربہ۔

الواب

جب بواسیری مسوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گزر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلا ناغہ آرہی ہو اگرچہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ وہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت، نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: ”وتوضاً المستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ریح او رعاف دائم او جرح لا یرقاً لوقت کل فرض ویصلون به فرضاً (کان او واجباً) او نفلاً وهذا اذا لم یبضع علیہم وقت فرض الا وذلك الحدیث یوجد فیہ (ولو مرة)“ وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے۔ مگر اس کی اقتداء طاہروں اور دوسرے عذر سے معذوروں کے لئے درست نہیں، فرائض میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہ نافل ہیں۔

ہدایہ میں ہے: ”ولا یصلی الطاهر خلف من هو فی معنی المستحاضة اه کمن به سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الریح والجرح السائل والرعاف ویجوز له اقتداء ای معذور بمثلہ اذا ائحد عذرهما لا ان یختلف اه“

فتح، تفتیح شرح منیہ میں ہے: ”لا یصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ از کانپور مسجد رنگیان مرسلہ مولوی شہار احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مع اہل و عیال کانپور میں بہ نیت اقامت مقیم ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان ذاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔ تخمیناً ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔ اب ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت اقامت کانپور کے ایک پسر کسی بہ عمر و تخمیناً دو تین سال کا ہمراہ تھا۔ اب اس عمرو کی عمر ستائیس سے زیادہ ہے۔ زید نے اس مدت میں عمرو کا عقد لکھنو میں کر دیا تھا۔ عمرو صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمرو کانپور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں نوکر ہو کر چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئلہ میں زید کا وطن اصلی کانپور ہوا یا نہیں؟ ہوا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جاوے تو عمرو پسر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گذاری ہو، وطن اصلی بنایا

نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی بر تقدیر بن جانے کے دوسرے شہر کے نوکری باوجود کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بینو اتوجروا۔

باب ج

جب زید مع اہل و عیال کا پور آ کر بہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کر لی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۳ سال سے زائد سے مقیم ہے، وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کا پور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بحر المراتق میں ہے: "الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع اہله وولده و لیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها۔"

تیمین الحقائق میں ہے: "و هو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تاهل فیہا۔"

حاشیہ علامہ شلشی میں فتح القدیر سے ہے: "ای ومن قصد التعیش به لا الارتحال (۴۰۳/۱)"

جامع الرموز میں ہے: "الوطن الاصلی ان یکون مولده ومأمله ومنشأه کما فی المحيط وغیره من الاختیار علی الاولین لکونه ابعده من الخلاف۔"

در مختار میں ہے: "الوطن الاصلی موطن ولادته او تاهله او توطنته۔"

روا المختار میں ہے: "قوله: او تاهله ای تزوجه، قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم یسوا الاقامة به فقیل لا یصیر مقيما وقیل یصیر مقيما وهو الاوجه۔ قوله ای توطنته ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتاهل قلت فی الاولی اذا تاهل۔"

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنا لیا یعنی یہ عزم نہ کر لیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بر بنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی، اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ ہو، اگرچہ وہاں حاجت اقامت بعض یا کل اہل و عیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ووطن اقامته وهو البلد الذی ینو المسافر الاقامة فیہ خمسة عشر یوما او اکثر۔"

تیمین میں ہے: "ووطن اقامته وهو الموضع الذی ینو المسافر ان یتیم فیہ خمسة عشر یوما فصاعدا۔"

حاشیہ شلشی میں ہے: "ای علی نیتہ ان ینو السفر بعد ذلک اه فتح۔"

وہ وطن اصلی کو باطل نہیں کر سکتا۔ تیمین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولا یبطل الوطن الاصلی بانشاء السفر

و یوطن الاقامة۔"

ح طش میں ہے: "ثم یبطل الوطن الاصلی بوطن الاقامة۔"

عمر و جب کا پورا آئے گا، بجز دو خول متیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: یبطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمى بوطن الإقامة والوطن المستعار الحادث ایضا فلو خرج الی الاول صار مقيما بمجرد دخول فيه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ مینو اتو جروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شہر پبلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الـجـواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی و صدیقی و فاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدة الرعاية فی حل شرح الوقایہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "قولہ بین یدیه ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجه والمسنون هو الثاني" یعنی لفظ بین یدیه کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "وبسند آخر عنه کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابو داؤد

(۳) تعلیق المنجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۳) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یوذن بلال علی باب

المسجد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "وکان الاذان الاول علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی

بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر علی باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع و مکروہ ہے۔

(۷) فتح القدر میں ہے: "الاقامة فی المسجد ولا بد واما الاذان فعلى المئذنة فان لم تكن ففي

فناء المسجد وقالوا یوذن فی المسجد" (فتح القدر، باب الاذان: ۲۱۵/۱)

(۸) اسی میں ہے: "هو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراهة الاذان فی داخلہ۔"

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "الاذان اما یكون فی المسجد والاقامة فی داخلہ۔"

(۱۰) فتاویٰ تاتار خانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵)، خزائنہ

المفتیین، (۱۶) بحر الرائق میں ہے: ”ينبغي ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد۔“
اذان منہ پر ہو یا بیرون مسجد کہی جائے۔ اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(۱۷) شرح مختصر وقایہ علامہ برجنیدی میں ہے: ”وفيه لشعار بانہ لا يؤذن في المسجد۔“

(۱۸) طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ”يكره ان يؤذن في المسجد كما في القهستانی“ (۱۹)
حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ (۲۰) انظلم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری محمود
زاہدی میں ہے: ولا يؤذن الا في فناء المسجد او على مئذنة۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم و اطلاق صاف بتا رہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں
مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعى التخصيص فعليه ان يأتى بالتخصيص هذا ما عندى والله اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی ظفر الدین البھاری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولانا محبوب علی خان رضوی احاطہ اکبر عبدالرحمان خان محلہ کرنل گنج کانپور اذیقہ ۱۳۶۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں ہے اور
حضور پر نور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت ایسی نہیں لکھی، جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں
ہونا مکروہ ثابت ہو۔ لہذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ، اذان ہی نہیں ہے۔ اس کو تغلیباً اور بر
بنائے تقویٰ اذان کہہ دیا ہے۔ اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے۔ حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟ بینہ اتوجروا۔

الجاب

زید کا یہ دعویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ، مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں، بالکل غلط، بے بنیاد و خلاف
عقل و نقل و تصریح علماء ہے۔ زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت و کراہت اس کو
کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دکھا سکتا ہے کہ یہ اذان، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب دو بات میں سے
ایک بھی نہیں، تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی
الموٰی علیہ وسلم و حضرات شیخین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی۔ و هذا لا يقول به جاهل نیر یہ
کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے فتوئے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ
بھی بالکل غلط۔ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدیر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدودہ لکراۃ الاذان فی
داخلہ یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان
مکروہ ہے۔ اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ ہے۔ جسے منکرین مخالفین کو بھی انکار

کرتے نہ بنی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو و مبہمل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی المولیٰ علیہ وسلم و حضراتِ یثنین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی نماز بے اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شانِ عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زاد التقویٰ میں ہے: اذان ثانی و فیکہ برائے خطبہ الخ

ترغیب الصلاۃ میں ہے: در عہد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ بنائے و بانگ مکرر شد۔ اب کوئی عمر و صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کے کیا معنی اور ”مکرر شد“ کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مقتدیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سامعین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ مینا تو جروا۔

الواجب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے بے خطبہ نماز درست نہیں۔ کما ذکر عن الزہری قال بلغنا انه لا

جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: ”و شرط لادائها المصبر (الی ان قال) و الخطبة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”الجمعة لا تجوز بدون الخطبة۔“

عالمگیریہ میں ہے: ”حتى لو صلوا بلا خطبة لم يحجز۔“

(۲) خطبہ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

در مختار میں ہے: ”تجب صلاتهما بشرائطهما سوى الخطبة فانها سنة۔“

رد المحتار میں ہے: ”انها فيهما سنة حتى لو لم يخطب اصلا صح واساء لترك السنة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”و صلاة العيد تجوز بدون الخطبة۔“

ہندیہ میں ہے: ”و الخطبة بعد الصلاة و تجوز الصلاة بدونها۔“

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور اسماع اور انصاف سب میں فرض ہے۔

در مختار میں ہے: ”و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح و ختم و عید علی المعتمد

”پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے؟“

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاة“ بلکہ پڑھنا گناہ و ممنوع ہے۔ عقبہ

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: ”قال الصلوة والامام یخطبہ معصیہ۔“
اس لئے کہ خطبہ میں حکم اسماع اور انصات ہے۔ فلا یشتغل بہا لان الاشتغال بہا یفوت علیہ
الاستماع ہکذا فی الہدایۃ والدر المختار وغیر ذلک من معتادات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفا خانہ ضلع بنی تال مرسلہ محمد عبدالرحمن ٹھیکہ دار الربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
بیٹو او تو جروا۔

الـجـواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی
کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة عید ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظيمة

”نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں۔“

”صحیحہ ابن حزم فی المحلی“ اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن و ابراہیم نخعی و مجاہد و ابن سیرین اور ثوری و حنون و غیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کما فی
الغنیۃ شرح المنیۃ۔

ملتقى الابحر میں ہے: ”لا تصح الجمعة الا بستة شروط المصنوع او فوائده الخ کذا فی الكنز
والاصلاح وتنویر الابصار ومراقی الفلاح وشرح الوقایۃ والسراجیۃ۔“

تیسرے میں ہے: ”حتى لا یجوز اداؤها فی المفاوز ولا فی القرى کذا فی مجمع الانهر
والصغیری والبحر والغنیۃ والحلیۃ وملا مسکین۔“

خزانة المفتیین میں ہے: ”لا یجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصنوع الجامع فلا یجوز اقامتها فی
القری ولا المفاوز البعیدة من الامصار۔“

یعنی ”جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان
میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔“

”لانه اشتغال بما لا یصح ومع ذلك اما ترك الظهر وهو فرض او ترك جماعة وهي واجبة ثم
الصلوة فرادی مع الاجتماع وعدم المانع شنیعة اخری غیر ترك الجماعة فان من صلی فی بیتہ معتزلا عن
الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادی حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد تركوا الجماعة

واتوا بهذه الشيعة زيادة عليه فيؤدى الى ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما يصلونه لما لم يكن مفترضا عليهم كان نقلا واداء النفل بالجماعة والتداعى مكروه ثم هم يعتقدونها فريضة عليهم وليس كذلك قاله فى "العطايا النبوية" وكذا افيد على هامش رد المحتار۔

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لما فى رد المحتار عن الجواهر: "لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظہر۔" اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائمی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گئے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحر الرائق میں ہے: "وفى حد المصر اقوال كثيرة اختاروا منها قولين، احدهما فى المختصر ثانيهما ما رووه لابی حنيفة انه بلدة كبيرة، فيها سكك واسواق ولها رمايق وفيها وال يقدر على انصاف المظلم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه فى الحوادث۔" اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فى الغنية والحلیۃ والدر والہندیۃ والخانیۃ والخلاصۃ والعنایۃ وفتح اللہ المعین والسراجیۃ وحاشیۃ الدر لمولانا عبد الحکیم۔ اور وہ تعریف کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اہلہ مصر ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کما فی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب، کما فى الدر۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حریمین محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ فقہ تشریح منیہ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فى ذلك ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمع من زمانه صلى الله عليه وسلم فكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق على احدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو مالمو اجتماع اهلها فى اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهلها وزیادہ۔"

اسی لئے مجمع الأنهر میں ہے: "اذ هذا الحد غير صحيح عند المحققين۔" بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے، ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از را کباب ذاک خانہ منکذ و محلہ حسین باڑہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ
مقتدائے زماں، پیشوائے اہل ایمان، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کا، حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔ ورنہ اس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں والسلام۔

ما قبلکم ایہا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ در دیہات جائز است یا نہ؟ واگر خواندہ شود شرائط صحت آن چیست؟ و بحالت در وجود ہمہ شرائط جمعہ ظہر احتیاطی خواندہ یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

مبطلہ شروط صحت نماز، مصر بودہ ست۔ و در دیہات جمعہ نزد خفیہ حکم ایں روایت ہدایہ: "صلوۃ الجمعة لا تصح الا فی الجامع او مصلی المصرو ولا تجوز فی القری" ادائی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہا متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم و قاضی آنجا قدرت اجرائے احکام شرعیہ، حدود و قصاص داشتہ باشند۔ مگر چون تسلط کفار غالب شد و دین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی باوجود حاکم، اسلام عقنا صفت شد و اگر جائے حاکم اسلام باقیست، قدرت اجرائے حد نہ دارد۔ و از فقہائے متاخرین فقط کثرت اسلام را اعتبار نموده، جائے راکہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیان مکلف نہ داشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مشتق بہ قرار داده اند۔

چنانچہ در رد المحتار مذکور است: "ویشترط لصحتها سبعة اشياء الاولی المصرو وهو ما لا یسع الاکبر مساحده اهلہ المکلفین بہا وعلیہ اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام وظاهر المذهب ان کل موضع له امیر وقاضی یقدر علی اقامة الحدود" (رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی بخشی در مختار در تائید روایات مذکور می آرد: "(لقوله ما لا یسع الخ) هذا یصدق علی کثیر من القری (قوله المکلفین بہا) احتراز عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبيان والمسافرین عن طہ القہستانی (قوله وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء الخ) وقال ابو شجاع هذا احسن ما قیل وفي الولوالجیة هو صحیح بحر وعلیہ منتهی الوقایہ و متن المختار و شرحہ و قدمہ فی متن الدر علی القول الآخر و ظاهرہ ترجیحہ وایده صدر الشریعہ لقوله لظہور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامة الحدود فی الامصار۔" (رد المحتار ۱/۱۳۷)

پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صادقست۔ یعنی وہیکہ در اں چند مسجد باشند و اہل اسلام کہ نماز بر آنہا فرض است، این قدر کثیر باشند کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشند، آنرا حکم مصر است۔ و اگر در اں موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشند، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بحکم ایں روایت فتاوی عالمگیریہ: "بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة و مصر القاضی بتراضی المسلمین اہ۔"

و بحالت شک در وجود شرائط جمعہ یعنی بودن مصر و حاکم اسلام یا نائب آن در صحت جمعہ شک آورده ظہر اقتضائی

روایت مشہور بخوف عدم اعتقاد عدم فرضیت جمعہ بہترست کہ عوام نخواستہ وابل گر خواند در خانہ خود خفیہ خواند تا فساد اعتقاد بر آں نشود۔ و بحکم ایں روایت در مختار و فی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوة الاربع بعدها بنیۃ آخر ظہر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا واما من لا یخاف علیہ مفسدۃ منها فالاولی ان یتکون فی بیتہ خفیۃ هذا ما القی فی الخاطر الفاطر محمد لطف اللہ غفر لہ۔

الجواب صحیح۔ فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات کرام خفیہ حصہم اللہ تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے۔ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتبر کو اختیار کرنا فقہیت سے از بس دور۔ حسب اقرار خود و تصریح علمائے کرام ظاہر الروایۃ، کل موضع لہ امیر وقاضی بقدر علی اقامة الحدود کما فی الہندیۃ والظہیریۃ والخانیۃ والعنایۃ والبحر والدر المختار وغیرہا من معتمدات الاسفار، علمائے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو جہالت و نادانی و خرق اجماع فرمایا ہے۔

بجز الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الروایۃ فهو مرفوع عنه۔“

در مختار میں ہے: ”ان الحکم والفتیۃ بالقول المرجوح جہل و خرق للاجماع اقول فکیف

بلافتاء بالمرجوح عنه۔“

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا: ”المقلد لا یجوز لہ ان ینسخ حکم الا بما ہو ظاہر الروایۃ اھ۔“ اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہوتا اور ولولہ الجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہو سکتی ہے، کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہاء کما فی العنایۃ و علی هذا شارح منیہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔ پس جبکہ صحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بجز الرائق میں ہے: ”الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاهر الروایۃ۔“

اسی میں ہے: ”اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا۔“ علی هذا تو انی فی الاحکام کو وجہ اختیار اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہو سکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں ”بقدر علی اقامة الحدود“ ہے، نہ یقیم الحدود۔ بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔ اور وجہ ترک قوی (اولا غیر ظاہر الروایۃ ہونا ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

تختہ میں ہے: ”والفصل فی ذلك ان مكة والمدینۃ مصران تقام بہما الجمعة من زمانہ علیہ السلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر و کل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة المتأخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرہما وهو ما لم یجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعہم فانه منقوض بہما، اذ مسجد کل منهما یسع اہلہ و زیادۃ ولا

يعتبر هذا التعريف اهـ۔ (غنية المستملی شرح منية المصلی ص ۵۵۰)
اور سبب اختیار موضوع له امير وقاضی الخ طابروثین۔ ولہذا ای کا اختیار انسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنگالہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲۲ رجب ۱۳۳۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رامپور
چہ می فرمایند راز داران دین متین و دقیقہ شناسان شرع متین اندر میں مسئلہ کہ آخر الظہر باحتیاط الظہر بعد فرض
الجمعة بديار ما مروج است، اصل آں چیست؟ و بادائے آں در ہر چہار رکعت بعد الفاتحہ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بینوا
توجروا۔

الجواب

اللهم اننا الحق حقا والباطل باطلا چوں جمعہ مشروط بشرائط نزائمه ماسادات کرام حقیقہ علیہم
الرضوان من الملک العلام بود و وجود ہمہ شروط دریں بلا تحمل تامل اختلاف است۔ بدین وجہ اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور
ائمہ دین و علماء معتمدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعہ شک افتد، بعد ادائے چہار رکعت سنت بعد جمعہ بنیت سنت وقت بایں نیت
کہ نماز یکہ وقت او یافتہ و ہنوز او نکرده ام یا نماز جمعہ متعدد جا خواندہ شود۔ (اگر چہ حسب مذہب مفتی ابہ توارد جمعہ مطلقاً جائز
و درست ست۔ کما اعتماد علیہ فی الکنز والوافی، والملتقی والكافی و الطحطاوی، والہندیہ والشامی،
والمحیط وجواهر الاخلاطی، وصححہ مفتی الجن والانس نجم الدین والعلامہ الشرنبلالی فی
المراقی، قال فی شرح الوقایہ "وبہ یفتی" وفي شرح المجموع والحاوی القدسی وجواهر الاخلاطی
وعلیہ الفتوی۔ وفي فتح القدير "علی المفتی بہ"، وفي المحيط وتكملة الرازی "وبہ نأخذ۔"
خواص را حکم چہار رکعت سنت بعد الجمعہ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ آخرین ظہر کے کہ وقت او یافتہ ام و ہنوز ادا
نکرده ام۔

قال فی الحلۃ شرح المنیہ "وقد يقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن
ذلك اذا تعددت فی المصنوع وهي واقعة اهل مرو فيفعل ما فعلوه" قال المحسن "لما ابتلى اهل مرو
باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتہم باداء الاربع بعد الجمعة حقا
احتياطاً"

در فتاویٰ عالمگیریہ ست: "ثم فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصنوع
او غیرہ واقام اہلہ الجمعة ینبغي ان يصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بہا الظہر حتی لو لم تقع
الجمعة موقعها ینخرج عن عہدہ فرض الوقت بیقین۔" کذا فی الصغیری والغنیۃ شرحی المنیہ والكافی،

وفتح القدير والقنية والطحطاوى وحاشية المراقى والحاوى القدسى، والبحر الرائق ومجمع الانهر وشرح المجمع ونهر الفائق، والفتاوى الظهيرية والحجة وخزانة المفتیین ومختار الفتوى والسراجية وشرح الكنز لملا مسکین، والتاتارخانية، والفتاوى الصوفية، وجامع المضمرات، والدر المختار والفتاوى الرحمانية وخزانة الروایات، واختاره الامام محسن والتمرتاشى والعلامة ابن الشحنة والباقانى والمقدسى وابو السعود والقاضى بديع الدين وشيخ الاسلام وغيرهم من الائمة الكرام عليهم الرحمة والرضوان من الملك العالم.

اما عوام کہ بہ صحیح نیت قدرت ندانند یا بہ سبب این رکعات اربعہ جمعہ را فرض ندانند و آنها قائل فرضیت صلاتین شوند، مگرم باین حکم نیند۔ بلکہ او مثال را برویش اطلاع نشود کہ این نیت آکدوا ہم مضدہ اشدوا عظم ست۔ در حق شان ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز او مثال ادا می شود۔ ولہذا در "نور الشمعہ" تصریح فرمود: "نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل نذل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔"

در مراقى الفلاح مذکور است: "بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجہلۃ ان الجمعة ليست بفرض او تعدد المقروض فى وقتها ولا یفتی بالاربع الا الخواص ويكون فعلهم اياها فى منازلهم اہ۔" ولہذا در طحاوی فرمود: "قالا لى ان تكون فى بيته خفية خوفا من مفسدة فعلها اقول وهو اعتقاد الجہلۃ الخ وبمثله صرح غير واحد من الائمة۔"

و در ضم سورة اختلاف لكن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔

در بحر المراقى نوید: "ثم اختلفوا فى القراءة فقيل يقرأ الفاتحة والسورة فى الاربع وقيل فى الاولين كالظہر۔"

صاحب منہ الخالق فرماید: "ويقرؤون فى جميع ركعاتها۔"

در فتح الله المعین ست: "واختلفوا فى ضم السورة للفاتحة فى الاربع او فى الاولين فقط والاحتياط ان يقرأ هما فى الاربع هكذا فى العالمگیری عن فتاوى (اهو) "ينبغي ان يقرأ الفاتحة والسورة فى الاربع التى يصلى بعد الجمعة فى ديارتنا كذا فى التتارخانية" اہ۔ اقول لكن الحق هو التفصيل اے شخصے کہ قضاء ہائے ظہر برگردن ندارد، در رکعات اربعہ ضم نماز و اگر نہ در اولین فقط۔

قال الحلبي: "وينبغي ضمها فى الكل ان لم يكن عليه قضاء فان وقعت فرضا فالسورة لا تضرب وان وقعت ندلا فالضم واجب وان كان عليه قضاء لا يضم فى الاخيرين لانها فرض البتة۔" واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ از ذاکخانہ شامی مرسلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۲ رجب ۱۳۲۳ھ
جو شخص دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اس کو معاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ مینوا تو جروا۔

الـجـواب

جمعہ نہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز ظہر ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو خندانہ مندرسہ گوالیار مرسلہ مولوی عبدالملک ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک محلہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ جمعہ روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ منجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا ماذون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

الـجـواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دائمی بازار رہتا ہے اس کے متعلق گاؤں گئے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جواز روئے شمت و شوکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہو سکے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایہ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ کما فی الخانیۃ والہدایۃ والدرو الخلاصہ وغیرہا اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا ماذون و ماذون الماذون و ہلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو ضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنالیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

ترجمہ المفتیین میں ہے: "وان لم یکن ثمة قاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز لملکان ضرورۃ۔ حکمنا فی الصغیری والبحر والطلحطاوی والیزاریۃ والسراجیۃ والخلاصۃ والفتاویٰ لقاضیخان وغیرہ۔"

در مختار میں ہے: "واما مع عدمہم فیحوز للضرورۃ۔"

رد المحتار میں ہے: "فی معراج الدراریۃ عن المبسوط "البلاد التي فی ابدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر بل القضاء والولایۃ مسلمون یطیعونہم عن ضرورۃ او بدونها وکل مصرفیہ وال من جہتہم یحوز لہ اقامۃ الجمعة والاعیاد۔"

اقول وليس حضور السلطان في الصلاة شرطا قطعاً ولا لم يحز الا في موضع واحد من المملكة جميعاً بل المراد اذنه بالاقامة كما يدل عليه قول العلامة محمد علاء الدين الحصكفي صاحب الدر المختار او مأمورة باقامتها فالكل من القولين له وجه لكن الاظهر والاين هو الاول والاحسن ما حررنا - والله تعالى اعلم -

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد - پتھو شریف - ۶ صفر ۱۳۳۲ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دیہات میں نماز عیدین جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے سوا خطبہ کے، شرائط جمعہ ہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لها شروط الجمعة وجوبا واداء الا الخطبة هكذا في الغنية والاصلاح -"

خلاصہ میں ہے: "ويشترط للعید ما يشترط للجمعة من المصير والسلطان الخ هكذا في العالمگیریة وقاضی خان والخزانة ولفظها لها -"

اور جمعہ دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لادائها المصير او فناءه -"

عالمگیریہ میں ہے: "ومنها المصير هكذا في الكافي كذا في الاصلاح والسراجیة -"

غنیۃ میں فرمایا: "اما شروط الاداء فستة ايضا الشرط الاول المصير او فناءه فلا يجوز في القرى عندنا هكذا في الصغيرى -"

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطاء، حسن بن ابی الحسن، نخعی، مجاہد ابن سیرین، ثوری، بخون، ہے کما فی الغنیۃ۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "والجمعة لا يجوز اقامتها في الرساتق ولا المفاوز البعيدة من الامصار -"

"جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مصر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں

میں جو امصار سے دور ہیں۔

ابوبکر بن ابی شعیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی فرماتے ہیں: "لا جمعة

ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا اضحی الا في مصر جامع او مدينة عظيمة -"

"نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں" صحیحہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر القرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت بحمد اللہ کثرت سے بلاد فتح ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

منبر و اقامتہ جمعہ وعیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔

در مختار میں ہے: "وفی القنیة صلوة العبد فی القرئ تکره تحریمای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرطہ۔"

قنیہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانتفاء الشرط یمتثلزم انتفاء المشروط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الشمس الطالع" از راپور ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، ثقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟۔ بینواتو جروا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مرجوح و مرجوع عنہ ہوتا ہے جس پر افتا جہل و خرق اجماع۔ کما فی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہو کر چہار شنبہ کو عید اضحیٰ کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتی بہ و تصریحات علماء، اصلاً اعتبار نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان وعلیہ فتویٰ الفقیہ ابی الیث وبہ کان یفتی شمس الائمة الحلوانی، قالوا: رائی اهل مغرب خلال رمضان یحب الصوم علی اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"

اور ہلال عید الفطر کی طرح حکم ہلال عید اضحیٰ ہے۔ خزانۃ المفتیین میں خلاصہ سے ہے:

"وهلال ذی الحجة کالفطر وهو ظاہر المذهب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار یتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہئے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر و دعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کو بھی صرف قراءت

قرآن عظیم ہی منع ہے، باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا صلیتم علی المیت فاحلصوا له الدعاء۔“ جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویة: ”فی الرحمانیة فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیہم فی التکبیرات الثلاث ولا قراءۃ فیہا۔“

خزانۃ المفتیین میں ہے: ”فان کان المیت غیر بالغ فان الامام ومن خلفه یقولون اللّٰہم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجرا و ذخراً واجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مسئلہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ اتر دھن لانا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لانبائی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانہ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں پنج وقتی اور جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی پنج وقتی نماز میں مسجد نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہنچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لانبائی میں) دوفٹ پانی میں ڈوبا رہتا ہے اس لئے آمد و رفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد پنج وقتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جولب سڑک و شاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

المستفتی: عبدالغنی عفی عنہ۔ تاریخ بست و چہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ

ال جواب

صورت مسئلہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھنے سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطہ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

سے ہرگز اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ جتنے دے جائے اور ثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: ”مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ“ ”جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے یعنی مسجد بنائے جس سے خداوند عالم کی رضا مندی و خوشنودی ہو، نہ ریا و شہرت، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔“
بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۸۲ میں ہے: ”وَإِذَا اشْتَرَكِ جَمَاعَةٌ فِي عِمَارَةِ مَسْجِدٍ فَهَلْ يَحْصُلُ لِكُلِّ مَسْجُودٍ فِي الْجَنَّةِ كَمَا لَوْ اعْتَقَ جَمَاعَةٌ عَبْدًا مَشْتَرَكًا بَيْنَهُمْ فَانْتَقَوْا مِنَ النَّارِ وَيَجُوزُونَ الْعُقْبَةَ بِسُؤْلِهِ تَعَالَى: ”مَا أَذْرَاكَ مَا الْعُقْبَةُ، فَكَ رَقَبَةٍ“ وَقَدْ فُسِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَ الرَّقَبَةُ يَعْنِي الْبَعْضُ وَالنَّهْضُ الْحَاقُّ الْمَسَاجِدَ بِالْعَتَقِ لِأَن فِيهِ تَرْغِيبًا وَحَمْلًا لِلنَّاسِ عَلَى انْشَاءِ الْمَسَاجِدِ وَعِمَارَتِهَا۔“

”یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہو تو کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح ایک جماعت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتش دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقیقہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقیقہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فَكَ رَقَبَةٍ کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر۔“

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد قبا کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ ”وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ“ (التوبة: ۱۰۷) میں اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا منشا ان کے اندرونی کفر کو تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، تشتت و تفرق پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سنیر مدرس مدرسہ اسلامیہ سس الہدیٰ، پٹنہ
جواب صحیح ہے مگر فاضل مجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً تشتت و تفرق پیدا کرنا کسی طرح لازم نہ آئے۔

محمد اصغر حسین عفی عنہ ۴ رذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

مسئلہ مولوی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پانسو کا مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس درمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کسب حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وارث اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ من کل الوجوه اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنانا مال مختلط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاختلال برکن لو شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال مختلط سے بنی ہے، نہ خاص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کریں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شیء بعینہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے فتاویٰ ظہریہ سے، کہا امام فقیہ ابواللیث نے، بعضوں نے فرمایا: "یحوز مالہ لم یعلم انه يعطيه من حرام قال محمد بن وهب لا اتخذ ما لم يعرف شيئاً حراماً بعينه وهو قول ابی حنیفہ واصحابہ۔"

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زحر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیدے پھر وہی روپیہ ثمن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خریدا پھر ثمن میں زحر حرام دیا گیا، زحر حرام پر عقد کیا اور دیتے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شیء حسب مذہب مفتی بہ امام کرخی کے حلال ہے۔

تویر الابصار میں ہے: "تصدق لو تصرف فی المعصوب والودیعة وریح اذا كان متعیناً بالاشارة او بالشراء بدرهم الودیعة او الغصب ونقدھا وان اشار الیھا ونقد غیرھا والی غیرھا او اطلق ونقدھا لا وہ یفتی۔"

در مختار میں ہے: "اكتسب حراماً واشترى به او بالدراهم المعصوبة شيئاً قال الكرخی ان نقد قبل

البيع تصدق بالربح والا لا۔"

رد المحتار ج ۳ ص ۲۴ پر ہے: "توضیح المسئلة ما فی التارخانیة حیث قال رجل اکتسب ما لا من

حرام ثم اشترى فلهذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع او لاثم اشترى منه بها او اشترى قبل الدفع بها ودفعها او اشترى قبل الدفع بها ودفع غیرھا او اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم او اشترى بدرهم اخر ودفع تلك الدراهم قال ابو نصر یطیب له ولا یجب علیه ان يتصدق الا فی البرج الاول والثانی لا یطیب وفي الثلاث الاخيرة یطیب وقال ابو بکر لا یطیب فی الكل لكن الفتوی الآن علی قول الكرخی دفعا للخرج عن الناس اه وفي العالحیة وقال بعضهم لا یطیب فی الوجوه کلھا و

المختار لکن الفتویٰ الآن علی قول الکرخی دفعا للخرج بکثرة الحرام اه۔“
 رابعاً کسب ناجائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہو کر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا، تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔

شامی میں ہے: ”وان كان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئاً منه بعينه حل له والاحسن ديانة التنزه عنه اه۔“

اسی کے باب الحظر والاباحتہ میں ہے: ”فسی المجتبى مات وكتبه حرام فالعميراث حلال۔“ اور مال حال سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو ویران اور خراب کرنا، اپنے دین کو ویران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد میں صحت نماز میں شک نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنجل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد مدنی صاحب ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
 ہادی و رہنما بعد سلام مسنون ملتئم ہوں کہ قصبہ سنجل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء صاحبان فرماتے ہیں کہ اس کا کرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ تہ خانہ یعنی دکان بند کرائی جا رہی ہے۔ جس کے باعث سے مسجد کے دوروپہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر دریافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز قارئین کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے یا نہیں؟ اور اس کا روپیہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

بلاشبہ مصارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو کرایہ پر دینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایۃ جائز و درست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جاہل یا مجنون لا یعقل ہے۔ اس کے ثبوت میں تصریحات علماء بکثرت موجود، جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔

بخلاف میں ہے: ”بخلاف ما اذا كان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه يجوز له ان لا يملك فيه لاحد بل هو من تميم مصالح المسجد فهو كسرداب بیت المقدس۔ هذا هو ظاهر المذهب كذا في ملا مسکین شروح الكنز و حاشیۃ فتح اللہ المعین معزیا الی الفتح۔“

درمختار میں ہے: ”واذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كعمسجد المقدس كذا في حاشیۃ للخطاوی و رد المختار للشامی۔“

مگر یہ ان ہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد تمامی مسجدیت پھر کسی نے بنا لیا ہو تو درست نہیں۔ کما صرح به العلامة الشلبی لقوله: ”فان قيل لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً علی المسجد

قيل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل ذلك في الابتداء هكذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقت الذي تحته ولو انه بنى المسجد اولا ثم اراد ان يجعل تحته حائوتا للمسجد فهو مردود باطل " هكذا في الدر المختار ورد المختار من معتمدات الاسفار - والله تعالى اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئلہ مولوی امین اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ
ما تو لکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرے تو کیا عقاب ہے؟ مینواتو جروا۔

الجواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش و حوض و حمام، و دیگر مصارف میں مثل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شمار میں نہیں لا سکتے۔ اس کا ثواب بما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔
رب العزّة جل وعلا فرماتا ہے: "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" "خدا کی مسجدیں وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہوں۔"

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما يلحق المؤمن من عمله بعد مماته مسجدا بناءً"۔ "بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بنا میں اس نے شرکت کی"۔ اخبرہ ابن خزيمة وابن ماجة والبيهقي عن ابی هريرة رضى الله عنه۔

حضور اقدس نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة"۔ "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا"۔
کے مفسرین فطاة اگرچہ قضاة کے گھونسلے جیسی اور بعض روایت میں ہے موتی اور یا قوت سے۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة وابن حبان وابو حنيفة وابن خزيمة والبيزار في المسند والطبرانی في المعجم والترمذی وهو في الكبير وايضا في الاوسط وابن عدى عن سيدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وال

ذر و انس بن مالك وابی امامة وابی هريرة واسماء بنت سيدنا الصديق رضى الله عنهم اجمعين۔
پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو، چاہے شرکت پیسوں سے ہو یا روپوں سے یا اثرفیوں سے، سب کو بے کم و کاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ لا ينقص من اجورهم من شئ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار روپے والے کا سوا روپے والے کا ایک روپے اور دس آنہ کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے، سخت گناہگار، آثم، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مستحق وعید، متاع الخیر ہے۔ اعادنا الله

منه ومن سائر اهل الاسلام بصدقة نبیه صاحب التاج والمقام علیه الصلوة والسلام واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

چیم فرمائید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ:

اول: ایک مسجد کھنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چهارم: اگر شخص بمیرد، در آں خانہ اندرون سرور اتخاذ ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر او شان جائز

است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چه حکم دارد؟

ششم: قربانی بقر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

الـجـواب

(۱) معا ذالہ من ذلک مسجد کھنہ را بجائے دیگر نقل ہرگز روا نیست کہ ایں ابطال غرض وقف است کہ اصلا روا

نیست۔ لا يجوز تغيير الوقف۔

صاحب فتح القدر فرمائیے: "الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ" علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را

مدرسه یا قبرستان و عکس نتواند کرد۔

در فتاویٰ عالمگیریہ از سراج الوہاج است: "لا يجوز تغيير الوقف عن حیاته فلا یحول الدار بستانا ولا

الحان حماما ولا الرباط دکانا۔" پس چون تبدیل ہیئت جائز نیست، تغیر اصل مقصود چگونہ روا باشد۔ آرے اگر حول مسجد

ہمہ ویران شد و مسجد از آبادی دور افتادہ ماند و بیچ کس در نمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان و ظالمان مال اورا می برند، ایں گاہ

بضرورت بر جواز نقل فتویٰ داده اند۔ کما فصلہ فی رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزورو القبور۔" الخمسة عن ابن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و در قول اللہ عزوجل: "فَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيهِمْ مَّاتَ أَوَّلًا تَقُمْ عَلَىٰ

قَبْرِهِ۔" (التوبة: ۸۴) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقہ کہ در آن تارک الصلوٰۃ نیست فرض

است۔ صاحب در مختار فرمائیے: "وہی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طریق اذا قتلوا

فی الحرب الخ۔"

(۴) رسم مذکور سخت قبیح و اتخاذ ضیافت مذکور گناہ و ناجائز است۔ امام محقق علی الاطلاق در فتح القدر و علامہ

حسن شریکالی در مراقی الفلاح و امام یزازی در فتاوی و غیر هم من الاعلام و در مصنفات خودش آورده اند و عبارت چنین است:
 ”یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور و هی بدعة
 مستقبحة“ - والله تعالی اعلم -

(۵) جائز است که رقت قلب و دموع چشم و ذکر از و هم حاصل است - لاجرم علامه تصریح فرمودند:
 ”والزيارة بهذا القصد يستوی فیها جمیع القبور“

(۶) از هر دو - قال الله تعالی: ”وَالْبَدَنُ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَبِيرٌ“

الآیه - ”(الحج: ۳۶) خود حضور اقدس صلی الله علیه و آله از ازواج مطهرات بقره ذبح فرموده، صحابه کرام رضی الله تعالی عنهم را امر فرموده اند -
 البخاری عن ام المؤمنین الصدیقه رضی الله تعالی عنها قالت: ”ضخی رسول الله صلی الله علیه و آله عن ذبائه یا
 لیقر“ و شیخین و ابو داود و از جابر بن عبد الله رضی الله تعالی عنهما راوی: ”امرنا رسول الله صلی الله علیه و آله ان نشترك فی الابل
 و البقره کل سبعة مناهیه بذاته“ - والله تعالی اعلم -

☆☆☆☆☆

۶
۴

بد

الب

حم

اشت

اشت

الاول

علی

کتاب الزکوٰۃ ۳

مسئلہ زیارہ بنکی قصبہ ردولی مرسلہ محمد الطاف الرحمن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد
ایک سال کے دو سو روپیہ منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دو سو روپیہ منافع پر لازم ہوگی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟
بیّنہ تو جردا۔

الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر
نہیں ہے کہ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دین و غیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ
مال تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار
کے بمقام اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو نفع مال تجارت ہے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے مل گیا تو وہ بھی
حساب کیا جائے گا۔ اگرچہ تمامی سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو نفع اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں
محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ومن كان له نصاب كاملا وفي اثناء الحول وجد مالا من حسنه، ضمه
الى ماله وركاه ولو كان من غير حسنه من كل وجه كالغنم مع الابل فانه لا يضم ذلك في الحوزة النيرة
بل يستعد بعد حولان الحول فانه لا يضم ويستأنف له حول آخر بالاتفاق۔ ذلك في شرح الطحاوی۔"
بسم الله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ واجد علی خاں بریلی محلہ سواگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گھانس یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف، مصارف زکوٰۃ ہیں یا کیا؟ بیّنہ تو جردا۔

الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگہداشت ہوتی ہے، ضرور ان پر
عشر ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو حطب اور قصب کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی
ہے کہ جس سے استعمال ارض مقصود نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بخر، بدائع ورد الیخار و در مختار و خانیہ و خزائنہ

المفتیین وغیرہا، میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول "انما استثنی الثلاثة لانه لا يقصد بها استغلال الارض غالباً حتى لو استغل بها ارضه وجب العشر اهـ" "یعنی صاحب کثرت نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالباً ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان چیزوں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، رد المحتار اور خانیاہ اور فتاویٰ متفرقہ پھر خزانۃ المفتیین میں ہے: "و یصرف العشر الی من یصرف الیه الزکوٰۃ اه قال فی الجوہرۃ: مصرفه مصرف الزکوٰۃ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پتر کٹہ مرسلہ مولوی سید حسن ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا چاہتا ہے یا نہیں؟ بیٹو اتو جروا۔

الجواب

نانا، نانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دو ہزار ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔
خانیاہ ج ۱ ص ۱۲۸ میں ہے: "ای لا یحوز دفع الزکوٰۃ الی والدیہ واجدادہ وجداتہ وان علوا من قبل الابیاء والامہات ویحوز الی سائر قرابتہ نحو الاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والنخالات اهـ" "ہکذا فی کثر الدقائق وشرحہ البحر وتبین الحقائق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیا وار ضلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ موسیٰ الان ۳ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ
بخدمت فیض درجت، مجدد مائتہ حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا و بالفضل اولانا، کترین حاجی موسیٰ الان مقام بدھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رساں ہے کہ بندہ سے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے، وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی بقول شامی و بحر الرائق و مراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحی صاحب کھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی، بحر الرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہذا میں متردد ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت برباد اور گناہ لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز اشع موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر ناچیز کو اس نعمت سے نجات بخشیں اور عند اللہ ماجورہ عند الناس مشکور ہوں۔ بیٹو اتو جروا۔

الجواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقات دینا زہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

الا
ع

اس کے تحریم میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ بالاجماع جی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کافہ فقہاء علی الاطلاق اسی پر
مشی اور اہل جملہ محققین اہل شروح و فتاویٰ و ارباب الصحیح و فتویٰ مثل امام ابو بکر مرغینانی صاحب ہدایہ و امام فقیہ النفس قاضی خاں و امام
صاحب خلاصہ و امام صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجماعاً بے اشعار خلاف، امر جائز کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیفہ
مستند نہ ہو بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے
اعراف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے۔ جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں۔

شیخ الانہر میں ہے: "لا تدفع الی ہاشم و هو ظاہر الروایۃ و روی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز
فی زمانہ الخ۔"

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور
مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔

امام خیر الدین الرملی عالم فلسطین اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "هذا هو المذهب الذي لا يعدل عنه الى
غيره و ما سواه روايات خارجة عن ظاهري الرواية و ما خرج عن ظاهري الرواية فهو مرجوع عنه لما قرره
في الأصول من عدم امكان صدور قوانين مختلفين متساويين عن مجتهد و المرجوع عنه لم يبق قولاً له
كما ذكره و حيث علم ان القول هو الذي تواردت عليه المتون فهو المعتمد المعمول به الخ۔"

ربانیہ کہ پھر اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟

اقول: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور نذر و ہدیہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں، تو یہ ان کی بے
سوائی بھی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدا مجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی ملجا و ماوئی نہ
تھا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی
ہاتھ نہ زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔
کہ اس سخت حاجت کے دن اس جواد و کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم کے بھاری انعاموں سے مشرف ہوں
اور متوسط حال والے اگر مضارف مستحب کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ تعالیٰ وہ تدبیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوا اور خدمت
سادات بھی بجا ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ معتمد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھر لے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپیہ بہ نیت
زکوٰۃ نہ کر مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کر دو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا
بہل و تاب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

وآخر میں اور ہندیہ میں ہے: "اذا اراد ان یکف من زکوٰۃ ماله لا یجوز و الحيلة ان يتصدق بها علی
فقیر من اهل المیت ثم ہو یکف بہ فیکون له ثواب الصدقة و لاهل المیت ثواب التکفین و كذلك فی
جميع البه الخ۔"

مگر اس میں اتنی دقت ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخروہ مالک مستقل ہو چکا۔ اسے اختیار ہے، چاہے دے یا نہ دے۔ لہذا فقیر غفر اللہ لہ کے نزدیک اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ سے بیس روپیہ سید کو نذر یا مسجد میں صرف کیا جاتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصرف زکوٰۃ کو کوئی کیڑا مثلاً ٹوپی یا سیر، سوا سیر غلہ دکھائے کہ ہم یہ تمہیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے، بیس روپیہ کو پیچیں گے۔ یہ روپیہ تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کر دو۔ اب بیع شرعی کر کے روپے بہ نیت زکوٰۃ اُسے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ شمن میں پہلے اول تو خود ہی لے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضا مندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ لے کر بطور خود سید یا بنائے مسجد میں صرف کر دے کہ یہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

در مختار میں ہے: ”يعطى مديونه الفقير زكوة ماله ثم ياخذها من دينه ولو امتنع المديون مديده واخذها لكونه ظفر بعنسن حقه اهـ“ من الزهر الباسم في حرمة الزكوة على بنی هاشم لعالم اهل السنة مجدد السأة الحاضرة سيدی احمد رضا خان متع الله المسلمين بطول بقائه واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب و تسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر بدلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بیوا تو جروا فقط۔

الجاب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات سادات کرام کو دینا ناجائز و حرام، نہ ان کے

دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔

فتح القدیر میں ہے: ”لا تدفع الی بنی ہاشم هذا ظاہر الروایۃ۔“

مجمع الانہر میں ہے: ”لا تدفع الی بنی ہاشم وهو ظاہر الروایۃ۔“

رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، مصرف زکوٰۃ، معتمد علیہ کو جو اپنی بات سے نہ بھرے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپیے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو نذر کر دو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا، نذرانہ تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے: ”واذا اراد ان یکفن میتا من زکوٰۃ ماله لا یجوز والحیلة ان یتصدق بها علی فقیر من اهل المیت ثم ھ و یکفن به، یکون له ثواب الصدقة و لاهل المیت ثواب التکفین و كذلك فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد و بناء القناطیر، الحیلة ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الی هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة و للفقیر ثواب بناء المسجد و القنطرة اه ملخصا۔“

اقول و یتظہر لی ان ثواب تلك القرب لهما جميعا لان من دل علی خیر کان کفاعله و التفصیل فی فتاویٰنا واللہ تعالیٰ اعلم۔

صح الجواب فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

کتاب الصوم ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ“ کی آیت میں ”شہد“ سے کیا مراد ہے؟۔ اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینو اتو جروا۔

الجواب

بلاشبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم و اعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ: ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“۔ (البقرة: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو جو شخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر تفسیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان، قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول ”فمن حضر في الشهر ولم يكن مسافرا فليصمه“ یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبيضاوي ”فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه“ یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا ”و يتيقن به“ یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے یقین ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شہادت۔

اقول وهذا كما ترى لانه تقول شهدت الهلال لما رايت به وشهدت الهلال اعم منه كما صرح به في نفسه لقوله وشهد من الشهود والتركيب يدل على الحضور اما ذاتا او علما وقد قيل لكل منهما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمن علامہ شیخ علی مہاشمی میں ہے: ”(فمن شهد) ای علم (منكم الشهر) باستكمال شعبان او شاهد الهلال (فليصمه)۔“ یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۳) تفسیر کبیر میں ہے: ”(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله ومعرفته (فلیصمه) یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگرچہ بظاہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لہذا فیہ بمنزلہ قیود و احترازا۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کر کے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف مستقیم درست غیر مغذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ کما صرح بہ المہائمی فی فتح الرحمان و اشار الیہ السوری فی ”روح المسائل فی الفروع“ لقولہ شہود الشهر اما بالروية والسماع والحازن لقولہ ”وقیل ہو محمول علی العادة شہود الشهر ای روية الهلال ولذلك قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا الرویة وافطروا الرویة“ بحمدہ فی الشیخین ولا خلاف انہ یصوم رمضان من رأى الهلال ومن استكمل شعبان وفصلہ الامام الرازی فی الکبیر کما ہو دابہ حیث قال: ”اعلم ان قولہ تعالیٰ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه یتدعی بحثین۔ البحث الاول ان شہود الشهر بماذا یحصل؟ فنقول اما بالروية واما بالسماع فنقول اذا رأى انسان هلال رمضان فأما ان یکون منفرداً بالروية أو لا یکون؟ فان کان منفرداً بها فأما ان یرد الامام شہادته أو لا یردها؟ فان تفرد بالروية ورد الامام شہادته لزمہ ان یصوم لأن اللہ تعالیٰ جعل فی حقہ فوجب ان یجب علیہ الصوم واما ان انفرد بالروية وقبل الامام شہادته أو لم یفرد بالروية فلا کلام فی وجوب الصوم واما السماع فنقول اذا شهد عدلان علی روية الهلال حکم بہ فی الصوم والفتیر جمیعاً واذا شهد علی هلال رمضان یحکم بہ احتیاطاً لا امر الصوم۔“ (تفسیر الکبیر ۲۵۶/۵)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تفریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شهد منکم الشهر کے معنی من علم کے ہیں اور یہی مفہوم حدیث شریف ”صوموا الرویة وافطروا الرویة“ کا ہے۔ کما نص علیہ الحازن و بعد تصریحات علماء فی کتب اللغة لسان العرب بین الرویة النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے: ”ورویة القلب هو العلم“ تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر پھر ورنہ کر کے یا شعبان کے تیس دن پورے کر لو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر پھر ورنہ کر کے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ ”عید کا چاند“ کے آغاز میں مرتب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے امیر جماعت اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

مفصل تنقیدی تبصرہ اور ماہنامہ نقیب کے ایڈیٹر کے مضمون کا علمی محاسبہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔ (۱۴ اسل)۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

- (۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھولنا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟
- (۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھولنے کا حکم ہوگا اور کب؟
- (۳) اگر اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟
- (۴) مشرق مغرب کا ایک حکم ہونا اس وقت تھا جب رسل و رسائل کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرہ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟
- (۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹریک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سنے میں آیا ہے ۱۹ اگست کو مراد آباد میں جمعیت العلماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دے سکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات و احادیث و کتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواڑی شریف قدس سرہ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علماء و عوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو ہمت انکار ہو۔ بینوا تو جروا۔

قیس محمد خاں قادری رزاقی عفی عنہ محلہ مغلیہ پورہ پٹنہ ۲۲ اگست ۱۹۵۱ء

الجواب

جواب سوال اول: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترالوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

من سے مراد عاقل بالغ تندرست مسلمان ہیں۔ شہد یا شہود سے ہے جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا جو سفر کا مقابل ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا

تمس ہیں۔ یا مشاہدہ سے بنا ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہ رمضان کا چاند مشاہدہ کر لے تو اس میں روزہ رکھے۔
تفسیر ابوسعود ہیں ہے: ”فمن شهد منکم الشهر ای حضر فیہ ولم یکن مسافرا و قلیل من شہد
منک حلال الشهر فلیصمه“

تفسیر کبیر میں ہے: ”(المسئلة الثانية) شہدای حضر و الشہود الحضور ثم ھینا قولان احد ھما ان
مفعول شہد محذوف لان المعنی فمن شہد منکم البلدا و بیتہ بمعنی لم یکن مسافرا و القول الثانی مفعول
شہد هو الشہر و التقدير من شہدا لشہر یعقلہ و معرفتہ فلیصمه“ تفسیر کبیر جلد (۲ ص ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے: ”اذا رايتم الهلال فصوموا و اذا رايتم فافطروا و ان غم علیکم
معدو اثلثین یوما“ ”جب دیکھو رمضان شریف کا چاند تو روزہ رکھو اور جب دیکھو شوال کا چاند تو افطار کرو اور اگر
پانچ نظر نہ آئے تو گنتی تمیں دن پوری کرو“۔ رواہ الامام احمد و البیہقی عن حابس رضی اللہ عنہ و رواہ
الامام احمد و مسلم و النسائی و ابن ماجہ عن ابی ہریرہ و رواہ النسائی و ابن ماجہ عن ابی عباس
۔ رواہ ابو داؤد من حذیفہ“۔

دوسری حدیث میں ہے: ”اذا جاء رمضان فصم ثلاثین الا ان نرى الهلال قبل ذلك“ ”جب
رمضان شریف کا مہینہ آئے تو تیس دن روزہ رکھو مگر یہ کہ تمیں کے قبل عید کا چاند دیکھا جائے تو ۲۹ ہی دن روزہ رکھنا
ہوگا“۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ”اذا رايتم الهلال فصوموا و اذا رايتم موہ فافطروا فان غم علیکم فافقد
یوما“ رواہ البخاری و مسلم و النسائی و ابن ماجہ و فی رواية فان غم علیکم فعدو اثلثین“۔ رواہ
الکبیر عن طلق بن علی رضی اللہ عنہ۔

اس مضمون کی حدیثیں اس قدر ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، جن کا خلاصہ حکم یہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر
روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ حضرت امیر شریعت
علیہ السلام نے روایت ہلال کے ص ۳ میں فرماتے ہیں: فمن شهد منکم الشهر فلیصمه۔ تو جو کوئی تم میں
سے شہد ہو یعنی پائے اس مہینہ کو تو چاہے کہ اس میں روزہ رکھے شہد کے معنی حضر کے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جو
مسافر اس مہینے کو پائے اس حال میں کہ مکلف بالشرع اور تندرست و متم ہو، اس پر اس مہینہ کا روزہ فرض ہے۔ بیمار
و مسافر تو اس کے بعد کی آیہ شریفہ میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ مفسرین نے فمن شہد منکم الشهر
فلیصمه کے کئی معنی کیے ہیں۔ ازاں جملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: هو احلالہ بالدار اپنے گھر میں

مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی ضرور ہے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کا چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ کو چاند نہ دیکھا گیا، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیہ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ”صوموا لرویتہ و افطروا لرویتہ فان حالت دونکم غیابة فاکملوا ثلثین یوما“ ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند دیکھنے سے) تو تیس دن مہینے کا پورا کرو“ سے مدلل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کرو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تا برقی پر منگاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناؤ اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ یعنی ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ”لا یصح اعتقاد رمضان الا برویة فاشیة او شہادة عادلة او اکمال شعبان ثلثین یوما و علیٰ مذهب جمہور فقہاء الا مصار ربہ بالحجاز و العراق و الشام و المغرب“ ”ماہ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عید کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلاد حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور قد روا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کرو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتدائے ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب و جوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر، نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتاء کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: ابر کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کرنا شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الجواهر ”المنیفة فی رواية الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ“

میں مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ”وفیه عن الحکم بتعلق بالروية ولا عبرة بقول الموقنین وان کانوا عدولا فی الصحیح و هو مذهب الجمهور الا من شذ من المتأخرین۔“ اس روایت میں حکم چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ عادل ہوں۔ صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلتے کی جگہ آسمان میں امیر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب و جوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تصدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو گواہ عادل کا ہونا چاہئے۔ غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں۔“

یہ چند اقتباسات استفتاءئے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔ اب حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے جواب استفتاءئے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علمائے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب جانتا ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور امین ہو جائے۔ جواب ص ۵ پر لکھتے ہیں: درمتر میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ”واخرج الحاكم وصححه والبيهقي في سننه عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جعل الله الاهلة مواقيت للناس فصوموا الروية وافطروا الروية فان غم عليكم فعدوا ثلاثين۔“ ”حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاندوں کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطر یوم عید کرو اس کو دیکھ کر۔ پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن رمضان کے شمار کر لو۔“

پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں: ”محمول علی العادة بمشاهدة الشهروهي روية الهلال وكذلك قال صلى الله عليه وسلم: صوموا الروية وافطروا الروية۔“ یہ مہینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی طرح رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد لکھتے ہیں: ”وفیه اشارۃ الی ان الصوم والافطر يعتبر بروية الهلال وهو الذي عليه اسم الشهر سواء كان تسعة وعشرين او ثلاثين يوما كاملا۔“ ”اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینے کا نام ہے، خواہ اسیس دن کا ہو یا پورے تیس دن۔“

پھر فرماتے ہیں: اور تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: ”ای یرید اللہ ان تکملوا مدة رمضان من الهلال الى الهلال كاملة اذا كان خطا بالكل من عليه الصوم او تکملوا عدة قضائه اذا كان خطا بالمسافر والمريض خاصة“۔ ”حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ معنی کہ تقاض شدہ روزہ کو گن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے“ اور اسی قول کو علامہ عبدالعزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو حبان اندلسی کی تفسیر بحر المحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات سے اور تقویت پہونچائی۔

الحمد للہ کہ جواب سوال اول کا آیہ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال و جواب استفتائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے بیس کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے، مختصر اہدیہ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روزہ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

پہلا قول: ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، عکرمہ، الحق وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبدالغنی صاحب اپنے فتویٰ منسلک جامعہ الاقوال فی رویۃ الهلال ص ۷۴ میں سوال ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے: ہیں ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریم کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شنبہ کو دیکھا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور ترمذی شریف سے

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماحاء لكل بلد رویتہم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کر کے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد و اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتا دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمول رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتاء رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابو الطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: "قوله هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لا نقبل شهادة الواحد في حق الافطار او انه امرنا بان نعتمد على رواية اهل بلدنا ولا يعتمد على رواية غير اهل بلدنا والمصنف حمل على المعنى الثاني فلذا استدلل به"۔ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا۔"

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: "ظاہرہ اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابي ذهب الى ظاهره القاسم و سالم وعكرمة وهو مذهب اسحق وقالوا ان لكل قوم رويتهم انتهى"۔

"اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اسحق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ اتنی۔"

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب

اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں کا مطلع دور ہو وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے

اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔

(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتاء رویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب و جوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیقی آگئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب و جوار کے دیکھنے کی تصدیق ہوگئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمّن شہد منکم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہاں بھر کے لوگ مطلع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطلع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کرب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحاوی حاشیہ در مختار سے ہے ص ۱۶: ”واطلاق المصنف فشمّل ما اذا كان بينهما تفاوت بحيث مختلف المطلع اولا و فصل بعض بالتفاوت وعدمه و هذا لتفاوت شهر فصاعدا اعتبار بقصة سليمان عليه الصلاة والسلام“۔ ”مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تیریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف ف مطلع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتاء رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آیت شریفہ فمّن شہد منکم الشہر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیت شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابو بکر

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے: ”السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يخلو ان يقرب او يبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل كل بلد رويتهم وقيل يلزمهم ذلك“۔ ”(اس آیت کے متعلق) ساتھ اس مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا۔“

پھر جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: ”قال القسطلی قال شیوخنا یعنی المالکیہ اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الى غيرهم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهی قال الخطابی وبه قال اکثر الفقهاء والیہ ذهب الشافعی و احمد ولكن المذکور فی کتب الشافعیہ ان ذلك فیما تقاربت البلاد وقال الحافظ وان تباعدت فلا يجب عندا اکثرهم و اوجه ابو الطیب و حکاہ البغوی عن الشافعی لکنہ قال ابن عبد البر اجمعوا علی انه لا تراعى الرویة فیما بعد عن البلاد کخراسان و الاندلس انتہی“۔ ”قسطلی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر شافعیہ نے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابو الطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبد البر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہی۔“

تیسرا قول: جو حنفیہ کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تاریخ، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی دہی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتاء رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: ”واختلاف المطالع و روية نهما راقبل الزوال و بعده غیر معتبر علی“

ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتویٰ بحر عن الخلاصة فیلزم اهل المشرق بروية اهل المغرب اذا ثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب كما مر قال الزيلعي الاشبه ان يعتبر لكن قال الكمال الاحذ بظاهر الرواية احوط۔" اور مطالع کا اختلاف اور دن کو چاند دیکھنا زوال کے پہلے اور اجناس کے سبب نامعتبر ہے۔ ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہاء اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پر اہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زیلعی نے کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے۔

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی روایت سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: "و ظاہر الرواية الثاني وهو المعتمد عند المالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الروية في حديث صوم الروية بخلاف اوقات الصلاة۔" اور ظاہر روایت نے ثانی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوم الروية میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے۔

پھر جواب استفتاء رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریم کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: "وقال بعض اصحابنا نعم الروية في موضع جميع اهل الارض۔" اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر مذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو۔

پھر جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۳۳ پر ابو الطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: "و ظاہر الرواية في مذهبنا انه يثبت بروية اهل بلده على اهل بلد اخر لعموم الخطاب في قوله صوموا معلنين بمطلق الروية في قوله لرويته وبروية قوم يصدق اسم الروية فيثبت ما يتعلق به من عموم الحكم فيعم الوجوب۔" اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرويته میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا۔“

اسی جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۳۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”وظاهر المذهب عن ابی حنیفۃ انه اذا ثبت فی مصر لزوم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب و انما يلزمهم اذا ثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب“۔ ”اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے۔“

پھر اسی جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۳۴ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے: ”كان يتحمل اثنان الشهادة او يشهد اعلیٰ حکم القاضی او يستفیض الخبر بخلاف ما اذا خبر ان اهل بلدہ، کذا رآء ہ لانه حکایۃ حلبی“۔ ”دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آئیوالی خبر کو اخبار کے پریوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی ناقابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی ناقابل اعتبار خبروں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم و افطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔“

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رو کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سچنے تعالیٰ شانہ علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی جمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اہل حق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پڑنے کا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفائے رویت ہلال کے ص ۷۷ پر علامہ شامی کی عبارت ”فقیل بالاول واعتمدہ الزیلعی وصاحب الفیض وهو الصحیح عند الشافعیۃ“ کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس وقت کو جواب استفائے رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ”طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جانتا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے“

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہاء کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاص، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسن قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ”وامانحن فعلینا اتباع مارحجوه وصححوہ کمالو افتوائی حیاتہم“۔ ”ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علما نے ترجیح دی اور جس کی

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے۔“ نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول و ضوابط مقرر فرمادیے تو ہمارا فرض مذہبی و منہجی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

در مختار میں ہے: ”رسم المفتی ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاہرة یفتی بہ قطعاً۔“ جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا۔“ کیونکہ وہ ائمہ خلافت سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتاء رویت ہلال میں در مختار کی عبارت اوپر گزری کہ انہوں نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیہ اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔ اسی میں ہے، وعلیہ المفتوی اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔ تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاہر الروایۃ احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔ اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: هو المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔ پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار میں فرماتے ہیں: ”وفی وقف البحر فانه اذا کان احد القولین ظاہر الروایۃ والا حیر غیر ہما فقد صرحوا اجمالا بانہ لا یعدل عن ظاہر الروایۃ۔“ ”بحر الرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ ایک ظاہر الروایۃ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایۃ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایۃ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایۃ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایۃ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے: ”فہو ترجیح ضمنی لکل ما کان ظاہر الروایۃ فلا یعدل عنہ بلا ترجیح صریح لمقابلہ۔“ ”تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایۃ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو۔“ اور اس جگہ مقابل کی اصلاً ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں: ”و کذا یرجع اذ کان احدهما ظاهراً والروایۃ“۔ ”اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو“۔ پھر فرماتے ہیں: ”وبہ صرح فی کتاب الرصاص من البحر حیث قال الفتوی اذا اختلف کان التصریح لظاهر الروایۃ لمانسیاتی ان الفتی بالمرجوح جهل“۔ ”ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرصاص میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے“۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلاً فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گزری ”وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصہ“ پھر فرمایا: ”وفیه من باب الصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهراً الروایۃ والرجوع الیہا“۔ ”جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے تصحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول رد المحتار میں فرماتے ہیں: ”ماخرج عن ظاهراً الروایۃ فهو مرجوح عنه والمرجوع عنه لا یحوز الاخذ بہ“۔ ”جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنه ہے اور مرجوع عنه کو لینا جائز نہیں“۔ درمختار میں ہے: ”ان الحکم والفتی بالمرجوح جهل وخرق الاجماع“۔ ”حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے“۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اولی من هذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاهراً الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنه اھ“۔ ”اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنه پر فتویٰ دینا ہے“۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ رد المحتار میں فرماتے ہیں: ”الواحد الرجوع الی ظاهراً الروایۃ عنه اختلاف التصریح“۔ ”ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلاً ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا“۔

نیز رد المحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ”اذا ذکر فی ظاهراً الروایۃ حکم من دون ذکر خلاف کان

مقتضاه انہ قول ائمتنا الثلاثة۔ ”جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے۔“

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: ”لا یحل الافتاء بالمرجوح ولا ینقذ القضاء بہ۔“ ”قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا۔“

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: ”ما خالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبنا لا صحابنا۔“ ”جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔“

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول و قواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات و شکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔ درمختار جلد اول میں ہے: ”ان الحكم الملقق باطل بالاجماع۔“ ”حکم ملفق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالا اجماع باطل ہے۔“

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: ”مثالہ متوضی سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحۃ هذه الصلوۃ ملفقة من مذہب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیۃ اہ الخ۔“ ”اس کی مثال یہ ہے کہ ایک با وضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہو سکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔“

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور اپنی جدت سے تلفیق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں برب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ گواہی کا نہیں کرتا جارہا ہے، کسی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابرو باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہو یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی دے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت و روایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کمال میل فی المسکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور دیکھنے کا ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگرچہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علماء سے پوچھتے ہیں ”سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔ فقہاء کی تحریرات و تحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہاء کی تصریح لا عبرہ لا اختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار و لائق عمل دارآمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کر دے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جا کر وہیں سے نشر کر دے۔ اس میں متخاضمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔ اگر کچھ یوں میں اس کو رائج نہ کر سکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب ہے، کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرائیے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کر دے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جا کر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب کچھ یوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کر لیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انج کمی بیشی کی ہمت نہیں کر سکتے، ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمر بستہ۔ میری یہ غرض نہیں

کہ چونکہ دنیوی پکھریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت پکھریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی پکھریوں میں شہادت کے قواعد و قانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹریک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین و موجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ از کی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ سیدی و سندھی، شبیحی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل ہریلی قدس سرہ العزیز (۲) رسالہ جامع الاقوال فی رویت الہلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزان شافی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب مسجداہ قشین درگاہ شاہ ارزان پٹنہ (۳) رسالہ نادر نحفہ جامعہ حبیبیہ (۴) جوابات استفتا عزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہ و لبعہ مسجداہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ از کی الاہلال اور ہندوستان کے ایک سوا کیا نوے مشاہیر علمائے تصدیقات ہیں۔ از کی الاہلال فتاویٰ رضویہ میں چمپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلماء کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے حذف کر دیا ۱۲ ساحل)

فقیر قادری محمد ظفر الدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اصلاخ، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور و مستند علمائے سابقین و معاصرین کی ایک سوا کیا نوے تحریرات فتاویٰ و تصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹریک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم وینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علمائے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہو سکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گزرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کر سکتا ہے، سرکاری آدی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی طرف سے جامع مسجد مدنی پورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو دن

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مراد آباد، سنبھل، پیلی بھیت، مظفر پور، بہار، دانا پور، گونڈہ، بہرائچ، مانپارہ، ناگپور، جبل پور، فتحپور، کانپور، بستی، رائے بریلی، ملیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلہ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص ہی میں جاری و نافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبہ اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہو تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن۔ لہذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول و لائق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۵۵ مشہور و مستند علمائے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اس وقت وہاں والوں پر روزہ، افطار، اضحیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ”الاصول بقاء الشہر فلا یتقل عنه الابدلیل ولم یوجد“۔ فلہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، وہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو، نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ و افطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جا کر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس کے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ متقی علی الاطلاق فرماتے ہیں: ”الفرق بین رسول القاضی و کتابہ حیث یقبل کتابہ ولا یقبل رسولہ فلان غایۃ رسولہ ان یکون کنفسہ و قد منا انہ لو ذکر ما فی کتابہ لذلک القاضی بنفسہ لایقبلہ و کان القیاس فی کتابہ كذلك الا انہ اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی۔

(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کر دیا گیا ۲۱ ماحل)

ان تمام تحریرات، فتاویٰ و تصدیقات کی روشنی میں کائنات فی نصف النہار واضح ہو گیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابرو وغبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستور الحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹریک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت و ملزم نہیں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ و تصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات و تصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، از دیا و حجم و ضخامت و صرف کثیر طباعت و اشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ و تصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔ درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات و تصدیقات سب بیکار ہیں واللہ العالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۱۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیئرٹرائٹ لا اور ششٹن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہو سکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ وہ بدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ پکھری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democratic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہو جائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کالج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

حکم سے بلاچون و چرا نافذ کر دیتا ہے اور زمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈ، یوتار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے جھوٹا نامہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطہ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظام کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا تصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جاسکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کر لیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ راتیں پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہو سکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آجائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہو گیا۔

جواب سوال ششم: ہر واقعہ کا راجنا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع و تشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندوستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہندو کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہو گئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازمی، رزولوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے ۱۸/۱۹ اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵ افراد مراد آباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی مہارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزولوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہو اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلماء ہی کا فیصلہ ہوا اور دونوں اسی قرار دار سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں۔

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ”مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔“ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مراد آباد کے اس اجتماع کو ۱۴ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷ھ مطابق ۱۸-۱۹ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا ”کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علما کرام نے صادر فرما دیا۔“ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا انت الشمس طالعة فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی بیچاریت کا بلکہ جمعیت العلما کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

”رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔“

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آنی ہوئی خبر جمعیت علما ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ”ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ ریڈیو کی خبر کی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے، نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جاسکتی بلکہ بعد شہادت فیصلہ و حکم علما کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جاسکتا ہے تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور انا و نسر اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط اور ہر شخص مشروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب تک خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آنکھ کھلی تو ہو کامیدان۔ یہی حالت مشروط حکم کی ہے اگر شرط پائی گئی حکم برقرار و موجود ورنہ ہباء منشور۔ اذافات الشرط فوات الشرط اور جب کہ ایک شرط نہیں چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط تو سب شرطوں کا پایا جانا ضرور ورنہ حکم بے سیاه مریخ کا کافور ہوگا۔

اہل علم حضرات بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فیصلہ تین ٹکڑوں پر مشتمل ہے:

اول اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جاتی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس میں چھ شرطیں ہیں۔ اگر ایک بھی متشی تو حکم معدوم یعنی (۱) اگر ریڈیو سے خبر آئی مگر علما نے حکم نہیں کیا تو ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۲) اگر علما نے حکم بھی کیا لیکن بغیر شہادت لئے کسی کے قول پر اعتماد کر کے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۳) اگر شہادت بھی لی لیکن باقاعدہ شہادت نہ لی جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۴) اگر باقاعدہ شہادت بھی لی گئی لیکن علما نے شہادت نہ لی بلکہ معززین کے باقاعدہ شہادت لینے پر علما نے حکم کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۵) اگر علما نے شہادت باقاعدہ لی مگر وہاں کے علما نے لی، نہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے بلکہ دوسری جگہ کے علما نے باقاعدہ شہادت لے کر حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۶) اگر وہیں کے علما نے جہاں سے ریڈیو میں اعلان کیا گیا ہے، باقاعدہ شہادت لی اور حکم کیا لیکن سننے والے کو اس کا اطمینان نہ ہوا، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار۔ غرض پہلے ٹکڑے کی رو سے ان چھ شرطوں کی تحقیق ضروری ہے ورنہ رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

دوم دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ یعنی انہیں چھ شرطوں پر بس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ساتویں یہ ہے کہ خبر دینے والا متعین ہو۔ اگر کوئی شخص خاص اس کام کے لئے متعین ہو، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ریڈیو اسٹیشن پر ایک ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کیا جائے۔ کیا معلوم

کہاں چاند نظر آئے اور کہاں کی اطلاع سے کہاں روزہ رکھنے، روزہ کھولنے، عید کرنے کا حکم دیا جائے؟ کلکتہ کی خبر سے دہلی والوں پر یا لکھنؤ کی خبر سے مدراس والوں پر دیہات کی خبر سے شہر والوں پر یا شہر کی خبر سے دیہات والوں پر حکم روزہ افطار کا ہوگا تو ہر جگہ ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جانا اور ریڈیو اسٹیشن پر ایک آدمی خاص اس کام کے لئے متعین و مقرر کئے بغیر چارہ نہیں (۸) اور صرف متعین ہونا بھی کافی نہیں بلکہ خبر دہندہ کو معتمد بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۹) اور صرف مسلمان ہونے ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ خبر دہندہ کو معتمد بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں مذہبی اختلافات کس قدر ہیں اور ہر شخص اپنے ہی مذہب شخص کو معتمد و مستند سمجھتا ہے۔ کیا سنی عالم کے پاس شہادت رویت گذرے اور اس بنا پر ریڈیو سے اس نے اعلان کیا تو اسے شیعہ صاحبان مان لیں گے یا شیعہ مجتہد کے نزدیک رویت کا ثبوت ہو اور وہ ریڈیو پر اعلان کرے تو اس کو سب سنی معتمد مستند سمجھ کر مان لیں گے پھر سب سنے والوں کا معتمد ہونا کس قدر دشوار ہے؟

سوم پھر تیسرا پیرا اگر اہم ملاحظہ کیجئے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔ یعنی ان نو شرطوں کے بعد دسویں (۱۰) شرط یہ بھی ہے کہ تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں حکم نہ کیا بلکہ بعض ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۱) اسی طرح اگر تمام ہندوستان کے شہروں میں حکم کیا لیکن قصبوں میں حکم نہ کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۲) علیٰ ہذا اس کے برعکس تمام قصبوں میں حکم کیا لیکن تمام شہروں میں حکم نہیں کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۳) بعد میں اگر تمام دیہات کے متعین ذمہ دار جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کی ہے، نہ دیہات میں (۱۴) اسی طرح اگر پاکستان کے تمام شہروں، قصبوں دیہات میں ذمہ دار متعین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کی ہے، نہ پاکستان کی۔ اگرچہ حکم ہندوستان کا پاکستان کو بھی ماننا ضروری ہوگا ملاحظہ ہوا خیر کا فقرہ ”یہ حکم تمام ہندوستان پاکستان کے لئے ہے“ (۱۵) پھر ان شرطوں کے ساتھ متعین ذمہ دار جماعت کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا لیکن غیر متعین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۶) متعین جماعت نے حکم کیا لیکن وہ ذمہ دار نہ تھی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۷) حکم تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط جماعت بصیغہ جمع ہے نہ جماعت بصیغہ واحد (۱۸) ان تمام شرطوں کے بعد تمام گھانٹیوں سے گذرنے پر بھی ریڈیو کی خبر سے چاند ثابت ہو کر بحکم صومہ الرویتہ و افطرو الرویتہ یہاں بھی

رویت کا حکم ہو کر روزہ رکھنا یا افطار کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ عمل کیا جاسکتا ہے یعنی اگر کوئی عمل کر لے تو مضائقہ نہیں۔ یہ خلاصہ اس متفقہ فیصلہ کا ہے جسے ۳۵ علمائے جمعیت علما ہند نے مراد آباد میں ۱۸-۱۹ اگست کو پاس کیا ہے جو سب کچھ ہے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے اور جو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ اسانحصر اکبر الہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

ہاں یہ ضرور ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ ریڈیو کے ذریعہ اعلان پر عمل کرنے کا علمائے چند شرطوں کے ساتھ فتویٰ دیدیا لیکن جب عید الفطر یا عید اضحیٰ کے چاند کے متعلق کسی جگہ کارڈیو بولے گا تو..... ہوئے بس است کے مطابق ایک جماعت ریڈیو سے ہی عید کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی فیصلہ کو پیش کرے گی۔ دوسری جماعت کہے گی یہ اعلان قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ علمائے ان شرطوں کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ وہ کہاں پائی گئیں (۱) اس پر کہاں اطمینان ہوا کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علمائے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے (۲) یہ نشر کرنے والا کون شخص ہے؟ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں (۳) پھر کیا معلوم کہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ (۴) مسلم بھی ہے تو کس مذہب و مشرب کا ہے؟ ہمیں اس پر کس طرح اعتماد ہو کہ وہ شرعاً مقبول و قابل وثوق ہے؟ (۵) یہ سب مان لیں پھر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات نے اس کے موافق کب حکم کیا ہے جو حسب شرائط فیصلہ یہ اعلان قابل اعتبار ہو؟ شرطوں پر عمل کے متعلق عوام کی حالت اگر جمعیت علمائے ہند کے حضرات معلوم کرنا چاہیں تو مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب امداد الفتاویٰ ملاحظہ فرمائیں اور ان کے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ ۳۵ حضرات جن کا فیصلہ اخبار والے اچھا لے رہے ہیں اور عوام شدد و مد کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اکثر ان کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہترے شاگرد کے شاگرد کی حیثیت کے ہوں گے۔ شاید ہی گئے چنے حضرات ان کے مساوی اور برابری کی حیثیت کے ہوں تو جب ان کو اپنا مشروط فتویٰ عوام کی بے احتیاطیوں اور ان کی وجہ سے شرور و فتن پیدا ہونے کی وجہ سے کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے، واپس لینا پڑا۔ اس لئے ان ۳۵ علمائے جمعیت علما ہند سے نہایت ہی مخلصانہ گزارش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کے تجربہ سے آپ حضرات بھی فائدہ اٹھائیں اور اس فیصلہ کو واپس لیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد ہر جگہ جنگ و جدل، نزاع، سر پھٹول اسی فیصلہ کی وجہ سے دیکھ کر اس سے رجوع کرنا ضرور ہوگا۔

امداد الفتاویٰ کی عبارت درج ذیل ہے: "اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی جس میں قبول تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تنقید تھی مگر اس سال

بے باک شریعت مطہرہ پر افترا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا اقبل الليل من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم۔“

نیز فرماتے ہیں: ”لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر۔“

رہا اس کا حوالہ دینا اور اپنے زعم میں آیت قرآنیہ کو اپنا مؤید سمجھنا، سو یہ خیال خام، بلکہ نقش بر آب ہے۔ اس کا جواب یہ کہ عانت اگر جنس ماقبل سے ہو تو تحت حکم مغیا داخل ہوگا۔ مثل مرتقین و کعبین کے بوجہ جنس مغیا ہونے، داخل حکم مغیا یعنی غسل ہے اور اگر عانت غیر جنس مغیا ہو تو نہیں داخل ہوگا۔ اور یہاں صورت ثانیہ ہے۔ والتفصیل فی کتب الاصول من شاء فلينظر اليه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدنی پورہ مرسلہ مولوی عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

زید کہتا ہے کہ دعا ”اللہم لك صمت و بك امنت و عليك توكلت و علي رزقك افطرت“ میں سب صیغہ ماضی کے ہیں۔ اور ماضی دعا میں مستقبل کے معنوں میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب صیغے مستقبل کے معنی میں ہوں گے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جو کتابوں میں لکھا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس ماضی کے ساتھ اپنے کو یا غیر کو دعا کی جاتی ہے، نہ یہ کہ جو صیغے کہ دعا میں بولے جاتے ہیں۔ خواہ بغرض ماضی، ان سب سے مستقبل کے معنی لئے جائیں۔ تو ان دونوں میں قول صحیح کس کا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

بے شک عمرو سچا ہے زید کا قیاس محض فاسد ہے۔ قائل کا مقصود ان الفاظ سے دعا کرنا نہیں ہوتا۔ رہا لفظ افطرت سو اگر قبل افطار پڑھا تو البتہ معنی استقبال محتمل ہے۔ ورنہ اس میں بھی خبر مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کمپ میرٹھ، کوٹھی خان بہادر، مرسلہ منشی میر محمد ۶ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ برخوردار حبیب محمد نے سترہ برس ۵ ماہ ۴ یوم کی عمر میں اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت کی۔ ایام حیات میں نماز مرحوم پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کل نمازوں کا کفارہ جس قدر سن بلوغ سے ایام وفات تک قضا ہوں یا جس قدر واجب ہوں، ادا کروں۔ براہ نوازش کتب فقہ و حدیث سے ٹھیک تعداد و ایام تعداد کفارہ یومیہ و کل کفارہ سے کس قدر ہوا، معزز کیجئے۔ مرحوم کے سات سال کی عمر سے کبھی رمضان شریف کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ البتہ اس سال بحالت بیماری یک ماہ کے روزہ قضا ہوئے، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ پیدائش مرحوم ۶ شوال ۱۳۰۶ھ ہوئی بوقت ۷ بجے شام اور وفات ۱۰ ارذی الحجہ بوقت ۳ بجے کے ہوئی۔ بینوا و تو جروا۔

الـجـواب

حسب تصریح فقہاء کرام ہر نماز، ہر روزہ کا فدیہ، گیسوں خواہ اس کے آٹے یا ستو کے نصف صاع اور جو اور اس کے ستو اور آٹے سے ایک صاع ہے۔

در مختار میں ہے: "لو مات وعليه صلوات فائتة و اوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالقنطرة و كذا حکم الوتر والصوم۔"

اسی میں ہے: "يجب نصف صاع من بر لو دققه لو سويق وصاع من تمور لو شغل احد"

سنن و نقل کا کفارہ نہیں کہ وہ مکملات ہیں۔ دن رات میں صرف وتر و فرائض خمسہ کے چھ کفارہ، جس کے تین صاع گیسوں، چھ صاع جو ہوئے۔ صاع عربی پیمانہ ہے، ہمارے بلاد میں مروج نہیں۔ لہذا اس کا حساب سیروں سے عام فہم ہے۔

فاقول وبالله التوفيق: صاع دو سو ستر تولے، نیم صاع اس کا نصف ایک سو پینتیس تولے، تولہ بارہ ماشہ، ماشہ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی روپیہ سکے رائج سوا گیارہ ماشہ ہیں۔ پس چارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشہ یعنی ساڑھے سرٹھ تولے ہوئے اور نیم صاع ایک سو پینتیس تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوئے۔ انگریزی سیر کہ بنگال و ہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مروج ہے، اسی روپیہ بھر یعنی پچتر تولے کا ہے۔ اس سیر سے ایک صاع کے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ہوا۔ تو فدیہ یومیہ نماز کا ۳ صاع گندم یعنی دس سیر..... چھٹانک ہوا یعنی چار روپے بھر اوپر پونے گیارہ سیر۔ اور ہر ماہ کے کہ ۳۰ دن کا ہو، آٹھ من چار سیر ہوئے۔ اور حسب تصریح علماء عظام سال قمری کبھی تین سو پچپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔ تو سال بھر کے پچانوے من چونتیس سیر ہوئے۔ پس اگر مدت بلوغ معلوم ہے تو ان سترہ سال ۲ ماہ ۴ دن سے اس قدر نکال کر باقی کا فدیہ سال ماہ یوم سے حساب کر کے ادا کریں۔ اور اگر معلوم نہیں تو اقل مدت بلوغ کہ مرد کے لئے ۱۲ برس ہے، نکال کر باقی ۵ سال ۲ ماہ ۴ دن کے چار سو چھیانوے من اکیس سیر تین چھٹانک، اور پانچواں حصہ چھٹانک کا کفارہ نماز میں ادا کریں۔ خواہ بازار کے نرخ سے اس قدر کی قیمت دیں۔

رہے انتیس کفارے روزے کے کہ رمضان ۱۳۲۳ھ ۲۹ ہی دن کا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسا مرض جس میں روزہ مضرت تھا یا روزے کی طاقت نہ تھی، شروع ماہ مبارک سے آخر تک برابر مستمر رہا۔ اور شوال تک بھی کوئی دن ایسا نہ پایا جس میں روزے کا امکان ہوتا۔ جب تو ان روزوں کا فدیہ اصلاً لازم نہیں۔ اگر شروع رمضان سے ۶ شوال تک کچھ دن ایسے پائے جس میں روزہ رکھنا مضرت نہ ہوتا اور اس کی طاقت تھی، تو ایسے جتنے دن ہوئے، ان کا کفارہ وہی فی روزہ نیم صاع کے حساب سے یعنی چار روپے بھر اوپر پونے دو سیر کے ادا کریں۔ یہ سب فدیے کسی فقیر مصروف زکوٰۃ پر تصدق کریں۔

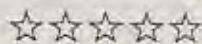
در مختار میں ہے: "فان ماتوا فيه اى فى ذلك العذر فلا تجب عليهم الوصية بالفدية لعدم ادراكهم عدة من ايام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر ادراكهم عدة من ايام اخر۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال دستیاب نہ شد)

الـجـواب

طریقہ پیش آن سنت کہ حساب کنند سالہای عمر میت را و ادنی مدت در مرد و دوازده سال و در زن نہ سال است، وضع کنند۔ باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز کہ سہ صاع کامل گیرند و ما بینہا کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نماز ہائے یکساں کہ سی و صد و شصت روز است، یک ہزار و ہشتاد صاع حاصل آید۔ مگر از آنجا کہ سال قمری بیش از سہ صد و پنجاہ و پنج یوم نمی شود، فدیہ سال کامل یک ہزار شصت و پنج صاع از گندم شد و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزائند، ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار و ہشتاد صاع شود و زنان را اگر عادت حیض معلوم بود فیہا ورنہ از پیش بلوغ تا عمر پنجاہ سال یا بہر عمر کہ حیض منقطع شدن معلوم باشد، بہر ماہ سہ روز کم کنند۔ ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند۔ حاصل آنرا موافق قیمت آن وقت اگر ارزانی شود مبلغ شخص نمودہ والا پس ہر قدر کہ غلہ شدہ باشد بفقر او ہر کہ مصرف زکوٰۃ باشد، دہند۔ و اما فی زمانہا کہ رغبت عامہ کسان در امور شرعیہ فائزست یا بوجہ قلت استطاعت قدر مذکور ادا نہ کنند کہ تیسر ش آنست کہ قدرے گندم یا جو یا غیر ہا کہ میسر شود۔ منجملہ بایں نام بفقر او دہند و قبول کردہ اینہا را بدہد۔ باز بہماں نام دہند و بچنین مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز و روز ہائے تمام و کمال ادا شود۔

امام بزازی در فتاویٰ خود فرماید: "ان لم یکن لہ مال یستقرض نصف صاع ویعطیہ المساکین ثم یتصدق بہ المسکین علی الوارث ثم الوارث الی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوٰۃ نصف صاع کما ذکرنا۔" "ہکذا فی البحر الرائق والخلاصۃ والہندیۃ والطحطاوی علی مراقی الفلاح وابی السعود علی المسکین والملقط والبرجندی والدر المختار وغیرہما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالی اعلم۔"



کتاب النکاح ۵

مسئلہ مرسلہ مولوی تھوڑا حسن رامپوری مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر ۲۵ رجب ۱۳۲۳ھ
در نکاح ایجاب و قبول کہ رکن است اگر بجائے قبول الحمد للہ گفت و قبول کردم و غیر آن از الفاظ قبولیہ تکلفت
۔ دریں صورت نکاح نافذ خواہد شد یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

نہ۔ فی الہندیۃ: ”سئل نجم الدین عمن قال لامرءۃ خویشتن را بہزار درم کا بین بمن بڑنی وادی
فقلت بالسمع والطاعة قال ینعقد النکاح۔ ولو قالت سپاس دارم لا ینعقد۔ لان الاول اجابة والثانی
وعد کذا فی المحيط۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ۶ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ یعنی وکیل بالنکاح اور شاہدین
جانتے ہوں یا ایک ایسا شخص اور سوائے ان تین کے جانتے ہوں اور بعد نکاح بھی اختفاء منظور ہو اور یہ مقصود ہے کہ حمل نہ
رہے، جو افشائے نکاح ہو یا یہ بات کہ فلا نہ عورت سے بذریعہ نکاح جو تعلق ہے، ظاہر نہ ہو۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

نورت جو چھپا کر نکاح کرنا چاہتی ہے، اگر نابالغہ ہے تو ظاہر کہ بغیر اولیاء کے نکاح نافذ نہیں۔
در مختار میں ہے: ”وہو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر ومجنون وورقی۔“
رد المحتار میں ہے: ”فلا یصح الا بولی۔“

اور اگر بالغہ ہے اور اس کے لئے کوئی ولی نہیں یا جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اس کا کفو ہے یعنی نسب یا
مذہب یا چال چلن یا پیشہ یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس عورت کا ہونا اس کے اولیا کے لئے باعث تنگ
و عار ہو یا کفو بھی نہیں نہ تو اس عورت کے ولی کو اس کی اطلاع ہے اور وہ یہ جان کر کہ یہ شخص اس کے ساتھ اس نکاح پر
راضی ہے تو ان دونوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جبکہ دوم مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ایجاب و قبول دونوں کو ایک جلسہ
میں کرا دیں اور اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اس عورت نابالغہ کے اولیا موجود ہوں، جس
سے نکاح کرتی ہے یہ کفو نہیں اور اولیاء کو خبر نہ کی گئی، یا وہ راضی نہیں یا راضی ہوئی لیکن انہیں کفو نہ ہونا معلوم نہیں، تو سرے
سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ اور صورت اولی جس سے نکاح ہو جائے گا، اس میں بھی ایسا اختفاء ناپسند و خلاف شرع ہے۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔“
 ”نکاح کا اعلان کرو، اسے (تیرکا) مسجد میں کرو، اس پر دف بجادو۔“ رواہ الترمذی عن عائشة رضی اللہ عنہا
 والامام احمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیۃ والحاکم فی
 المستدرک عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 حدیث شریف میں ہے: ”فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح۔“ ”ترنا اور بیوی سے
 مجامعت میں فرق دف اور صوت ہے کہ ترنا چپکے چپکے کیا جاتا ہے اور نکاح اعلان کے ساتھ۔“ رواہ احمد و الترمذی و النساء
 وابن ماجہ۔

شرعۃ الاسلام میں ہے: ”والسنة فی النکاح الاعلان ای الاظهار ليقع الفصل بینہ وبين السفاح۔“
 در صورت جواز نکاح یہ قصد کہ ولادت نہ ہو، مستلزم ہے عزل کو یعنی وقت جماع فرج سے باہر انزال۔ عورت
 اگر حرمہ ہو (اور پیشک یہاں سب کی عورتیں ایسی ہیں) تو بے ان کے اذن جائز نہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 مروی ہے: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنہا۔“ اور اگر وہ بھی راضی ہو تو
 ایک عیث فعل ہے۔
 حضور اقدس ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: ”ما من کل النساء یكون الولد واذا اراد
 اللہ خلق شیئاً لم یمنعه شیء۔“

بلکہ ناپسند اور مقصود شرع کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”تزوجوا
 الودود والود فانی مکا ثربکم یوم القیمة۔“ نکاح فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں کہ ظاہر نہ کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ
 فرماتے ہیں: ”النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔“ نکاح میری سنت ہے، جو اس سے اعراض
 کرے وہ مجھ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر کہنہ.....: ۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کے نکاح میں اپنی پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی اور
 ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ مینوا تو جرہا۔

الـجـواب

عمرو کے نکاح میں بے شک آسکتی ہے قال اللہ تعالیٰ: ”وَأُحِلَّ لَكُمْ مَلَائِکَةُ ذُلُکُمْ۔“ (النساء: ۲۴) درست ہے نکاح کرنا
 سوائے ان محرمات منصوصہ کے سے ”واللہ تعالیٰ اعلم۔“

☆☆☆☆☆

مسئلہ از فرید پور، بریلی مرسلہ قاضی محمد صلاح الدین ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ
چہی فرمائند علمائے دین اندر میں صورت کہ زید بحالت مجرد، ایک عورت مسماۃ ہندہ، بیوہ سے شادی کی اور
ندہ اپنے ساتھ ایک لڑکا عمر دلائی۔ عمرو کی وفات کے بعد عمرو کی بیوہ سے زید کی شادی جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو او تو جروا۔

الجواب

بلاشبہ عمرو کی بیوہ بیوی کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ" (النساء: ۲۴) "اور ان
کے سوا جو ہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)
نسخۃ الخلاق میں ہے: "ولا تحرم بنت زوج الام وامہ ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتها ولا ام زوجۃ الابن ولا بنتها
ولا زوجتہ ولا زوجۃ الاب رملی۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا۔ اس عورت کے ہمراہ
ایک لڑکی سات برس کی تھی اور اس شخص کے ایک لڑکا تھا۔ پہلی بیوی سے دس برس کا، اب وہ لڑکی اور لڑکا دونوں جوان
ہو گئے۔ اب وہ شخص اور وہ عورت باہم لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو او تو جروا۔

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ نکاح آپس میں درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ" (النساء: ۲۴) "اور ان
کے سوا جو ہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)
بحر الرائق میں ہے: "تحلل اخت اخیه نسبا بان یکون له اخ من اب او اخ من امہ فانہ یحوز له
التزوج بها حکذا فی شرح الكنز والتبیین والملا مسکین۔" واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ از شہرہ..... ۳۰/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ نے انتقال کیا اور شخص مذکورہ کی خواہش یہ ہے
کہ اپنی سگی بیٹی سے جو کہ بیوہ ہے عقد کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ بیٹو او تو جروا۔

الجواب

اگر کوئی وجہ حرمت رضاعت یا قرابت سے نہیں تو اس شخص کا نکاح اپنی سگی بیٹی سے درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:
"وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ" (النساء: ۲۴) اور حلال کی گئی تمہارے لئے ماسوا محرمات منصوصہ کے۔ اور ظاہر ہے کہ محرمات منصوصہ
سے سگی بیٹی نہیں۔ والمستقللة لا تخفی علی من له عقل سلیم وفوق کل ذی علم علیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح اور عجیب نسخہ ہے واللہ اعلم فقیر الی القدر وصی احمد قادری مدرس مدرستہ الحدیث، بیلی بہیت محلہ میر خان

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش محافظ دفتر سرائے خادم ۷ ربیع الثانی شاہجہاں پور ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف غیر مذہب نے اپنا نکاح مسلمان
کے ساتھ بلا مسلمان ہوئے کیا۔ ایک ماہ تک اس کے مکان پر رہی اور کھانا پینا بھی شمول رہا۔ بعد ایک ماہ، زید کے یہاں
سے نکل کر بکر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ قبل نکاح ثانی کے اس کو کلمہ شریف پڑھایا گیا اور نماز بھی پڑھائی گئی۔ اسلام میں
مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف میں وہ نکاح اول یعنی زید کے ساتھ اور نکاح ثانی یعنی بکر کے
ساتھ ان دونوں میں کوئی نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی درست نہیں ہوا، تو اب شرع شریف کے نزدیک کس طرح
پر درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

طوائف کا، اگر وہ کتابیہ تھی اور اس نے اپنا نکاح زید کے ساتھ قبل قبول مذہب اسلام کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔
لعدم المانع۔ اس کے بلا طلاق و موت زید جو نکاح بکر سے کر لیا، یہ نکاح درست نہیں اور نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ حل
وعلا: ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ“ (النساء: ۲۴) ”اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔“ (کنز الایمان)
جلالین میں ہے: ”وَحُرْمَتُ عَلَيَكُمُ اِیْ ذَوَاتِ الْاِزْوَاجِ مِنَ النِّسَاءِ مِنْ قَبْلِ مَفَارِقَتِہُنَّ اَوْ اِحْبَنِہُنَّ“ یعنی اور حرام کی
گفتیں تم پر شوہر دار عورتیں قبل مفارقت ازواج ان کے۔ اگر وہ عورت مشرکہ تھی تو بلا مسلمان ہوئے اس کا نکاح زید سے درست نہ
ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا“ (البقرة: ۲۲۱) اور نہ نکاح کرو مشرکات سے جب تک وہ ایمان
نہ لے آئیں۔ اس صورت میں بعد اسلام جو نکاح اس نے بکر سے کیا، وہ صحیح ہوا۔ لخلو ثمن الازواج و المسئلة مشہورہ۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔



بجضور جناب زبدۃ العارفین و قدوة السالکین، خاتم المحدثین، وارث علوم سید المرسلین، اعلیٰ حضرت استاذنا
و مرشدنا صاحب قبلہ ادام فیہم علینا و علی سائر المسلمین آمین
پس از تقدیم آداب و قدم بوسی معروض خدمت بابرکت میں یہ ہے کہ بہت دن گذر گیا ہے کہ ایک خط مندرج
ایک سوال کے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مگر شومی بخت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لہذا بار دیگر عرض کرتا ہوں۔
سوال: ایک شخص نے ایک آدمی کو اس وعدے سے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دیں گے، اپنے گھر میں لایا اور کہا
کہ تم میرے گھر داماد رہو! مگر میرے گھر کا کام مکمل انجام دینا ہوگا۔ دین مہر کذا و کذا پر جانمیں سے قواعد قرار ٹھیک ہوئی
تم جو میرے گھر میں کام کرو گے، اس سے مہر ادا کیا جائے گا۔ مگر یہ بات معلوم نہیں تھی کہ نکاح پر بہت روپیہ قرض تھا۔
جب کہ اتنا روز گذرا، قرض خواہوں نے تقاضہ شروع کیا۔ اب دلہن کے باپ نے اپنی طرف سے اس کا قرض کچھ
ادا کیا اور کچھ باقی رہا۔ پھر جب کچھ دن گزرے تو نکاح کہتا ہے کہ اب نکاح کرا دو۔ دلہن کا باپ کہتا ہے، تم میرے

س آئے، اتنا اتنا قرض تھا تم پر، میں نے تمہارا قرض ادا کیا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم کچھ روپیہ کہیں سے لاؤ تب شادی ہو جائے گی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا اور قرض چاہا مگر آگے کا مقروض تھا، کہیں سے کچھ نہیں پایا۔ پھر دلہن کے باپ نے کہا کہ تھوڑا دن میرے پاس ٹھہرو، میرے پاس کچھ روپیہ ہو جائے، تب تمہاری شادی کرادیں گے، مگر وہ نہ مانا۔ دوسرے ایک آدمی سے مل کر رات کو اس لڑکی کو چرا کر لے بھاگا اور مشورہ دینے والے کے گھر میں رکھا۔ لے جانے کے بعد دلہن کے باپ نے اس کے پاس رو رو کر کہا کہ مجھ کو شرم مت دینا، میرے گھر میں آؤ، میں بخوشی نکاح کرادوں گا۔ جب دلہن نے یہ بات سنی تب یہاں سے دوسری جگہ لے جا کر دونوں چھپ رہے۔ تو دلہن کے باپ نے پولس کو خبر کر دی۔ قریب دو مہینہ بعد میاں بی بی دونوں پکڑے گئے۔ حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہوا۔ تو آ کر فیصلہ یہ ہوا کہ لڑکی کو اپنے والدین کے حوالہ کیا جائے اور اس کو محبوس ڈیڑھ مہینہ کیا اور دولہا کے پاس نہ گھر رہنے کو نہ جگہ گھر باندھنے کو نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے اور نہ ایک کوڑی مول لینے کو ہے۔ ایسا مفلس اور نادار شخص ہے۔ ایسے آدمی کو ایک لڑکی کیوں کر دی جائے، نہ ایک کپڑا دے سکتا ہے۔ پس دلہن کے باپ نے دوسرے آدمی کو کہ اس کے پاس دوسو روپیہ موجود ہے، اس سے نکاح کرادیا۔ تب ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو چرا کر لے گیا تھا، اس وقت میاں جن نے نکاح پڑھوایا تھا مگر جس وقت کہ مقدمہ دائر تھا، اس وقت کسی نے یہ بات نہیں کہی اب جب کہ نکاح دوسرا ہو گیا۔ جو لوگ شاہد اور وکیل تھے، کہتے ہیں کہ نکاح اس سے ہو گیا تھا مگر لڑکی سے قبل نکاح ثانی کے ہم دو تین آدمیوں نے بہت پوچھا اور بار بار استفسار کیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتی رہی کہ نکاح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ ایک عورت سے اقرار کرتے سنا ہوں مگر اپنے کان سے نہیں سنا اور یہ بات پھر پوچھی گئی تھی۔ مہر میں کچھ تعین کیا گیا تھا یا نہیں؟ کچھ کپڑا بھی نقد دیا تھا یا نہیں؟ برابر کہا کہ نہیں۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ حاکم برہما تھا۔ لڑکی چودہ برس سن کی تھی۔ برہما قانون میں نابالغ ٹھہرایا، نابالغ اپنے اختیار سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ مگر از روئے شرع محمدی، موافق مذہب حنفی کے لڑکی بالغہ ہے۔ خوب ظاہر، اس میں کچھ شک نہیں۔ اب لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا ہو، تاہم اس کو لڑکی نہیں دیں گے۔ چونکہ اس کو نہ گھر ہے، نہ جگہ گھر باندھنے کی ہے اور نہ روزی ایک روز کی موجود ہے۔ اور نہ وہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، ایسے آدمی کو لڑکی کیسے دی جائیگی؟ بالفرض اگر دی بھی جائے تو وہ کیا کھلائے گا اور کہاں رکھے گا؟ اس سے اگر نکاح ہوا ہے تو فسخ کر دوں گا، چونکہ وہ میرا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ اب یہ مسئلہ میرے پاس آیا ہے۔ مگر میں کیا جواب دوں، ساکت ہوں، کچھ جواب نہیں نکلتا ہے۔ اب آنحضور خوب تحقیق کر کے، عبارت کتب تحریر فرما کر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں۔ اگر صورت فسخ ہو تو صحیح اگر نہ ہو تو صحیح۔

جواب مرسلہ مولوی واعظ الدین بنگالی پنجم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

مولانا المکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس شخص کی حالت جو لڑکی کو لے گیا تھا اور دعویٰ نکاح کرتا ہے، جس طرح کہ سوال میں مرقوم ہے، بہت قرض دار ہے، نہ گھر رہنے کا، نہ چاول کھانے کا، نان نفقہ، خور و نوش سے عاجز ہے۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے، نہ کوڑی مول لینے کو، نہ ایک جوڑا کپڑا دے سکتا ہے، نہ مہر معجل و نہ مہر مؤجل ادا

کر سکتا ہے۔ تو فی الواقع اس لڑکی کا قصور نہیں، کہ کفایت میں معتبر کفایت فی المال بھی ہے۔ یعنی وہ ایسا ہو کہ مہر و نفقہ دے سکے۔ عالمگیری میں ہے: ”وہو ان یکون مالک المہر و النفقة وہی المعتبر فی ظاہر الروایۃ حتی ان من لا یملکها ولا یملک احدھا حتی لا یکون کفء کذا فی الہدایہ۔“

پس جب کہ وہ اس کا کفو نہیں۔ تو اگر لڑکی چودہ سال کی بالغ ہے، قطع نظر اس سے کہ عورت نکاح کا انکار کرتی ہے۔ چو نکہ ولی سے اجازت نہ ملی، بغیر اس کی رضا کے نکاح کر لیا بطور خود تو موافق مذہب مفتی بہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔ اور موافق ظاہر الروایۃ کے اگر چہ صحیح ہے، مگر ولی کو حق فسخ حاصل ہے۔ حاکم سے کہہ کر تفریق کر سکتا ہے۔

”امرءة زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاہر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد و بہ اخذ كثير من مشائخنا کذا فی المحيط۔“

تبیین میں ہے: ”من نکحت غیر کفو فوق الولی لما ذکرنا و النکاح ینعقد صحیحاً فی ظاہر الروایۃ۔“

حاشیہ علامہ شلمی میں ہے: ”اما علی الروایۃ المختارۃ للفتوی لا یصح العقد اصلاً اذا كانت زوجت نفسها منها۔“

درمختار میں ہے: ”ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاً و هو المختار للفتوی لفساد الزمان“

(الدر المختار، باب الولی: ۵۶/۳)

فقہ و دربیہ میں ہے: مسئل فی امرءة یرید الزوج بلا رضا ابیہا و هو غیر کفو کیف احکم فی ذلک؟

الجواب: اذا نکحت بلا رضا ابیہا فرق القاضی بینہما بطلب الولی و هذا ظاہر الروایۃ عن ائمتنا و لكن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطلان النکاح من غیر کفو و بہ اخذ كثير من مشائخنا قال شمس الائمة و هذا اقرب الی الاحتیاط و الاحوط سداً باب التزوج عن غیر کفو۔ قال الامام فخر الدین الفتوی علی قول حسن فی زماننا۔ فی البحر المفتی بہ روایۃ الحسن عن الامام ابی حنیفۃ من عدم انعقاده اصلاً اذا کان لہا ولی ولم یرض قبل فلا یقید الرضاء بعدہ او مختصراً۔“

مفتی بہ روایت حسن کی امام صاحب سے ہے کہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، کہ عالمگیریہ اور درمختار میں اور صاحب ہدایہ اور خلاصہ اور قاضی خاں میں ”مختار للفتوی“ اور علامہ شلمی نے ”الروایۃ المختارۃ للفتوی“ ایضاً میں ”وعلیہ الفتوی“ فرمایا۔ ہکذا فی فتح اللہ المعین و تبیین و بزازیہ و خزائنہ المفتیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلاشبہ جواب صواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر سر اپا تقصیر و سی احمد خنی سی قادری مدرس مدرسہ الحدیث واقع پیلو بھیت محل منیر جان۔

مسئلہ مرسلہ مولوی عبدالرؤف از ملک بنگال شوبہ پور ضلع نواکھی ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماقولکم ایہا العلماء، وارث الانبیاء رحمنا اللہ ببر کاتکم اندرین مسئلہ کہ زید، زوجہ خود را سے طلاق داد۔ بعد ازاں برائے آوردن در نکاح خود عمرو را بران کلام مقرر و معین نموده کہ تو زوجہ مطلقہ مرا بعد از انقضائے عدت بنگاح آوردہ بعد از دو یک شب زن مذکورہ را سے طلاق بدہ۔ عمرو بر آں قول مقرر گشتہ، آں زن را بنگاح آوردہ بحسب قرار آں زن را سے طلاق بداد۔ آں نکاح صحیح است یا نہ؟ و برائے زوج اول حلال است یا نہ؟ اگر علماء عوام الناس را بران فعل ترغیب بدہند مجرم خواہند شد یا نہ؟ و مصداق قول رسول اللہ ﷺ لعنة اللہ علی المحلل والمحلل لہ براوشاں صادق آید یا نہ؟ بادلہ شرعیہ قویہ بمطابق مذہب حنفیہ بیان فرمائید و عند اللہ اجرش بگیرند۔

الجواب

السلام اربنا الحق حقا والباطل باطلاً سبحانه لا علم لنا الا ما علمتنا نکاح عمرو بازو زید منکوحہ بنگاح صحیح بشرط تحلیل مثل آنکہ گوید، تزوجت علی ان احللتک تزوجتہ اقدم، امام اعظم، سراج الملتہ والدين والائمة ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ است، و ممنوع و گناہ است۔ و ہمیں مذہب اہل علم از اصحاب کبار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان بن عفان و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم و از تابعین اہبار امام سفیان ثوری و ابن مبارک است و امام شافعی، احمد ہم قائلش شدہ اند۔

و ہدایہ است: "و اذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه۔" اگر ازاں مطلق بشرط تحلیل نکاح کرد، نکاح مکروہ است۔ حکذا فی التبيين والبحر و شرح الوقایہ و فتح اللہ المعین قال فی الدر المختار و كرهه التزوج للثانی (تجریماً) و رد المحتار تحت قوله و كرهه التزوج للثانی است: كذا فی البحر یعنی در بحر ہم كراہیتش مرقوم است۔ لکن اگر تحلیل آں زن بر زوج اول عند العقد محض منوی و مشہر داشت۔ کما هو المستفاد من ظاہر السؤال و شرط در عقد نکرد، مستحق لعن نخواہد شد۔

فی العنایہ، لو اضر ذلك فی قلبه لم يتحقق اللعن، ورنہ مکروہ است بلکہ آن مرد و انشاء اللہ تعالیٰ مایور خواہد شد۔ کما فی البحر و التبيين و در قبتانی از مضمرات ست (کہ آنرا علامہ ابن عابدین شامی شارح در مختار تحت قوله لا يكره کرده بیل یحل فی قولہم جمیعاً بلکہ بالاتفاق حلال است مراد را۔ باز نکاح بشرط تحلیل اگر چہ گناہ است، فاما در حصول تحلیل آں مرد زوج اول را نہ اشتباہ است چون عمرو بالغ یا مرأتی کہ مثلش جماع می تواند کرد، آں را بعد و طی طلاق داد۔ بعد از انقضائے عدت بر زوج اول بلا شبهہ حلال است، ہے۔ لو جود الدخول فی النكاح الصحيح۔ و ہدایہ است: فان طلقها بعد وطئها حلت للاول پس اگر آن مرد، آن زن را بعد و طی طلاق داد، بر زوج اول حلال است۔ فی الدر المختار: "كره بشرط التحليل وان حلت للاول لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال۔"

”نکاح بشرط تحلیل مکروہ است اگرچہ آن زن برائے شوی حلال شد بسبب صحت نکاح و بطلان این شرط۔ پس زوج ثانی اگرچہ بشرط طلاق و ر عقد آوردہ باشد بر طلاق جبر مکروہ شدہ۔ چنانچہ امام کمال ابن ہمام تحقیق فرمودہ است۔“
و علمائے کہ بر تزویج بشرط تحلیل ترغیب دہند، لاجرم بمضمون الدال علی الشی کفاعلہ اثم و مصداق حدیث لعن رسول اللہ ﷺ الحدیث خواہند شد، احترام باید کرد و از شان علماء پس بعید است کہ نکاح برائے اجتماع زوجین کردہ می شود، برائے تفریق را ترغیب دہند نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالی اعلم

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا نکاح اس کا باپ کر سکتا ہے یا نہیں اور ماں کو منع کرنے کا حق ہے یا نہیں اور ولی کون کون ہیں؟

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ کنز الدقائق میں ہے: ”وللولی النکاح الصغیر والصغیرۃ۔“ یعنی جائز ہے نکاح کردینا ولی کو صغیر اور صغیرہ کا۔ اور عصبہ بہ ترتیب ارث ہے۔ یہاں تک کہ اقرب کے ہوتے ابعد محبوب ہے۔
ہدایہ میں ہے: ”والترتیب فی العصبات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب۔“
پس جب کہ باپ نکاح کرنا چاہتا ہے ماں منع نہیں کر سکتی اور باپ کا نکاح کردینا جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اثم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندر میں مسئلہ کہ اگر ولی غیر جابر دخترک نابالغہ را بنکاح زید داد۔ بعد از بلوغ آن دخترک بروفق شرع بر فسخ نکاح قادر است یا نہ؟ نیز بر تقدیر اول نزد محمد و ابو حنیفہ بعض از شرائط فسخ نکاح قضائے قاضی پست۔ لہذا معترض گوید کہ دریں دیار بوجہ عدم قاضی نہ دخترک پس از بلوغ بر فسخ نکاح قادر نیست۔ بدلیل عقلی و نقلی ایں اعتراض درست شود یا نہ؟ بینوا و تو جروا۔

الجواب

زبانی سلاسل معلوم شد کہ نکاح ہذا بموجودگی اب نمودہ و پدرش بمجلس نکاح حاضر نبود و بعد استماع خبر جلسہ اولی سکوت کردہ نمونہ تائید او کرد و براں راضی شد۔ پس بر تقدیر صدق مستفتی نکاح مذکور باطل محض است۔ اصلاً روئے صحت ندارد۔ و فی الدر: ”فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ اہ الی ان اجاز جازو الا فلا و اذا لم یجزلیم یجز۔“ یعنی اگر ولی البعد وقت موجودگی ولی اقرب نکاح کرد۔ براجازت موقوف خواہد ماند۔ پس اگر اجازت داد نکاح صحیح و درست شد و اگر کرد باطل است۔ پس چوں اجازت نہ داد و رد کرد، ناجائز باطل است۔ و سکوتش

یہ مجلس اول ہم نیست کہ رضا صراحتہ ودلالہ مثل قبض مہر یا فرستادن دختر خود را نزد ولی وغیر ذلک در کار است۔

قال العلامة الشامي في حواشيه: "قوله توقف على اجازته) تقدم ان البالغة لو زوجت نفسها غير كفو فللو لي الاعتراض مالم يرض صريحا او دلاله لقبض المهر ونحوه فلم يجعلوا سكوتها اجازة والظاهر ان سكوته ههنا كذلك فلا يكون سكوته اجازة لنكاح الا بعد وان كان حاضرا في مجلس العقد ومالم يرض صريحا او دلاله تامل۔"

و اما جواب اس آمد کہ صورت فسخ بودی چگونه کرده شدی پس از آنجا کہ در عامہ بلاد ہند بوجہ سلطنت مسلمانان، قاضی شرع مفقود و حکم عمقہ دارد، چارہ کار ایں بود کہ زوجہ معاملہ مذکورہ را پیش حکم برد کہ او بعد ثبوت بمولجہ شوہر تفریق کند۔ فان الحکم کما لقاضی کل مالیس بحد ولا قود ولا ذیہ کما نص علیہ فی عامۃ الکتاب للمذہب۔

مگر حکم بلا رضا ئے فریقین نتوان شد۔ اگر زوج تن برضا ندہد، حکم حکم مقبول نیست و در زمان فقدان سلطان اسلام، قضاہ ہر کہ از علمائے سنت اعلم وافقہ و اہل باشد، دریں چنین امور قائم مقام اوی باشد۔ می رسید کہ پیش آن عالم رفیق و از کار خود سخن گفت و عالم بعد ثبوت مواجہت شوہر تفریق فرمودے۔ فاما ایں معاملہ دریں دیار پیش نمی رود۔ اگر بعد تفریق عالم زن تحکم شوہر نمی گرفتہ خود رہنی دیگر دہد۔ شوہر بہ کچہری ہاناشی می توان شد۔ پس اولی آنکہ بریاستہ اسلامہ نزد قاضی وے کہ مجاز عام من جانب ثواب باشد، تفریق خواہد۔ بتفریقش نکاح فسخ خواہد شد۔ اینجودقت ہمیں است کہ تقاضہ تخل الغائب روا نیست و ریاست را بر شہر کہ سائن قلم بردار نیست ولایت کرا خواہد داد۔ فاما بسبب معاہدہ کہ میان رئیسان وانگریزاں است، آناں بالجبر بذریعہ کلکٹرایں ظلمت می تواند کرد و گواہیم نتواند پیش اعلم بلد معاملہ پیاپیاں رسانند تا عند اللہ تفریق حاصل نشود تا آنکہ آن زن گوید کہ تفریق یافتہ ام بلکہ از سر مقدمہ پیش کند کچہری ہانہ۔ شرع اند۔ چون ثابت شود کہ ولی بعد بے اجازت اقرب تزویج کرد و اقرب رونمود، حکم بروخواہند داد و ایں حکم مطابق آن حکم خواہد شد۔ واللہ تعالی اعلم۔

اصاب المجیب جزاء القریب جز الا یثیب عبده المذنب احمد رضا خان القادری۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بلا رضا مندی اس کے اور بلا قبول اس کے، زید سے کر دیا۔ اور حیلہ سے زید کے مکان پر بھائی لے گیا اور جس وقت نکاح کی خبر ہندہ نے سنی فوراً وہاں سے چلی آئی۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئلہ میں حسب بیان سائل معلوم ہوا کہ ہندہ بالغہ ہے۔ لہذا بغیر رضا اس کے اور بلا اجازت اس کی ہرگز درست نہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ولایت جزنا بالغہ پر کسی کو حاصل نہیں واللہ اعلم۔ محمد حسین

بیشک نکاح نہیں ہوا کیونکہ عورت نابالغہ کا نکاح بدون اس کے اذن کوئی بھی نہیں کرا سکتا۔ قال النبی ﷺ: "لا

تَنكِحُ الْاِیْمَ حَتّٰی تَسْتَاْمِرَ وَلَا تَنْكِحُ الْبِكْرَ حَتّٰی تَسْتَاْذِنَ۔“ الحدیث متفق علیہ۔ وعن حسناء بنت خدام ان اباهما زوجها وهی ثیب (ای بالغہ) فکرمھت ذالک فاتت رسول ﷺ فرد نکاحھا رواہ البخاری۔

حرره العبد الضعیف محمود غفرلہ

یہ جواب غلط ہے۔ سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرادیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی، فوراً چلی آئی۔ اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور بیشک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔ نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہو گیا۔ اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔ پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح و منعقد ہے۔ ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔ پر یہاں کوئی نکتہ بھی مذکور نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ سن کر فوراً چلی آئی۔ چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم و حیا ہو، محتمل بات سے خواہی بخواہی رد قرار دینا، محض جہالت ہے۔ اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہو گیا۔ اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغہ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔ نانائے زید نے پرورش کیا اور ان کو ولی مان شادی دلایا۔ اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا ہے..... ہوئی ہے اور اس کے نانائے ان کو آنے سے باز رکھا ہے..... وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی بن کر شادی دلایا۔ لہذا نکاح منسوخ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام ندارد)

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔ شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغہ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔ اور سوال میں یہی ہے کہ ”ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا“۔ اس لئے یہ نکاح کہ ولی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسند کیا، انکار نہ کیا، جائز و ثابت ہے۔

ہدایہ میں ہے: ”وان زوجہما غیر الاب والجد فلکل منهما الخيار اذا بلغ، ان شاء اقام علی

النکاح وان شاء فسخ۔“

ہندہ کے ناناکا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور ”یُفْسِرُ قَوْلَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ“ (البقرة: ۱۰۲) میں داخل ہے۔ اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ ”وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی

بن کر شادی دلایا لہذا نکاح منسوخ ہے، عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔ اگر چچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کو زنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔ اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفرقہ کا باعث اور اپنے کو مورد طعن نہ بنائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار۔ ۱۱/۱۲ ذی القعدہ بروز یکشنبہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلا تعین دو گواہ یا اجازت باپ ہندہ کے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ مگر ہندہ کو قبل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ ایسی صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرایا جائے ورنہ ابدالاً یا بذاتاً ہوتا رہے گا اور اولاد ولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”وإذا استاذنها الولی فسکت أو ضحکت فهو اذن بقوله ﷺ البکر تستامر فی نفسها فان سکت فقد رضیت اه قال وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضاء حتی تتکلم به لان هذا السکوت نقلة الالتفات الی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا ولو وقع فهو محتمل والاكتفاء بمثله للحاجة والحاجة فی حق غیر الاولیاء بخلاف اذا ما کان المستامر رسول الولی لانه قائم مقامه انتہی۔“

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضامندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔ اور جب کہ نکاح بذات مجمع عام میں ہوا ہے، دو گواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جبکہ نکاح بذات موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہو جائے گا، دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دی ہے تو ولی کو نسخ نکاح کا حق ہی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

تمقہ المسکین ابو المعظفر محمد سعید الدین عفی عنہ المدرس الاول فی المدرسة العزیزہ

بین سوال والجب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانٹائے عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فتح نکاح کا حق بھی نہ رہا“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فاشی یصح هذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرنہ خط کا زبانی ہدایت بھی ایسی کر دی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرنہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلانا مزو کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو گھر یا ہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہو گیا، نکاح ہو گیا۔ جس وقت تو اتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت صحیح بھی ہو گئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح و نافذ ہو گیا یا تجدید نکاح و تصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(انتباہ) مانحن فیہ، میں امور اتخمہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھادیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھادینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا